

نگار

ادیٹر: نیاز فتحپوری

فہرست مضامین پارچہ ۹۲ء

صفحہ	موضوعات	ادیٹر	استفسارات
۷۹	عرب اور ان کا تمدن	۲	۷۹
۸۹	ایک شاعر کا انجام (فسانہ)	۵	جگر بریلوی بی۔ اے
۹۱	دکن کے آثار قدیمہ	۱۳	محمود اسرار کیلی
۹۲	انتہا نام (فسانہ)	۱۷	امین حزمی
۹۳	کلام مومن	۲۶	نظیر لودھیانوی
۹۲-۹۴	اردو پرن کا عہد حکومت	۳۹	غزلیات :-
	ظہیر الدین محمد بابر	۴۷	دل شاہ جہانپوری - آزاد انصاری
	فارسی زبان	۶۰	ہاشمی کیف مراد آبادی - فراق
	دین مسیحی	۶۸	گوکھپوری - صادق ایوانی -
		۷۳	بادی مچھلی شہری -

نگار مشین پر پیش لکھنؤ میں باہتمام و سونے لکھنؤ می چھپا

منیر نگار نے لکھنؤ سے شائع کیا

برائے

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

شمار ۳

ماہ پانچ ۱۹۲۷ء

جلد ۱۱

ملاحظات

گزشتہ مہینے کا رسالہ تقریباً چھپ کر طیارہ چکا تھا کہ بعض اسباب کی بنا پر نگار کے دفتر کو فوراً لکھنؤ منتقل کرنا پڑا اور ایک چٹ چھپو کر چپاں کر دی گئی تاکہ اس نقل مکانی کی اطلاع ناظرین کو ہو جائے۔

اس میں کلام نہیں کہ نگار کا بھوپال سے کسی اور جگہ (اور وہ جگہ قرب وطن کے وجہ سے اور نیز اس لئے کہ بد بظہوریت سے لیکر آغاز شباب تک بڑا حصہ یہیں کی فضا میں بسر ہوا تھا لکھنؤ سے بہتر کوئی اور نہ ہو سکتی تھی) منتقل ہونا ایک ننلیک دن ضروری تھا۔ اور میں اس سے قبل بارہا ملاحظات کے تحت میں اس طرف اشارہ بھی کر چکا تھا، لیکن ۲ فروری تک خود مجھے بھی اس کا علم نہ تھا کہ دوسرے ہی دن ۳ فروری کو دفعۃً یہ عزم لا بد ہو جائے گا اور وہ ارادہ جو مہینوں سے دماغ میں کچھ رہا تھا یوں یک بیک قوۃ سے فعل میں آسکے گا۔

ہر چند دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں وہ اچانک ہی ہوتے ہیں اور پس و پیش کی دنیا میں زندگی بسر کرنے والے مشکل سے کامیاب ہو سکتے ہیں، لیکن باوجود اس علم کے میں اس مسئلہ کو برابر ملتوی کرتا چلا آ رہا تھا اور ایک خاص وقت کا منتظر تھا اس حقیقت سے بے خبر کہ دنیا میں وقت کا انتظار جبکہ وہ خود کسی کا انتظار نہیں کرتا لایعنی سی بات ہے اور واقعات و حوادث کے ماتحت بڑی بڑی تجاویز کا آن و آمد میں بدل جانا بھی نادر الوقوع امر نہیں۔

بہر حال کسی مزید تفصیل کا اظہار کئے بغیر مجھے اس ماہ کے رسالہ میں ذرا وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا ضروری تھا کہ ذلت لکھنؤ آگیا ہے اور اگر کوئی خاص سبب پیدا نہ ہو گیا تو نگار کو اپنی زندگی اب یہیں بسر کرنا ہے اور یہیں کی فضا میں اپنی حیات کے تمام ایج و منازل طے کرنا ہیں خواہ میں کہیں اور کسی حال میں رہوں۔

اس میں شک نہیں کہ لکھنؤ کو (جس حد تک صحافت کا تعلق ہے) اب کوئی علمی و ادبی مرکزیت حاصل نہیں ہے اور نہ یہاں کا ذوق علم پہلے جیسے اعتماد کر کے کوئی شخص نشاط عمل اپنے اندر پیدا کر سکے۔ اور یہی سبب ہے کہ یہاں کی آب و ہوا کو رسائل کے لئے ناموافق کہا جاتا ہے، لیکن اگر مصر کی شاہنشاہی پر کنواں کی گداگری کو ترجیح دی جاسکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں لاہور و دہلی کی آسائیوں پر لکھنؤ کے مصائب و مشکلات کو ترجیح نہ دوں جسے فچپور سے زیادہ نزدیک ہونے کا فخر حاصل ہے۔

مقامی رسائل میں باوجود عدم استطاعت و وسائل و ذرائع مغربی صحافت کی تقلید میں مرقع نے بھی جنوری کی اشاعت کو سالانہ نمبر کی حیثیت شائع کیا تھا اور غالباً خلاف حق ہمسایگی ہو گا اگر اس کے ترتیب دینے والے کی سعی کی داد نہ دی جائے۔ اس میں بجائے تصاویر کے شعراء و اساتذہ قدیم و جدید کے متعدد ایسے مکتوبات درج تھے جو انھیں کے بات کے لکھے ہوئے تھے اور مضامین کے لحاظ سے بھی کافی تنوع تھا

بعض مضامین تاریخ و انتقاد کے بھی اچھے تھے، لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ مذہبی مسائل کو شجر ممنوع قرار دینے ہوئے جناب گویا جہان آبادی کا مضمون انھوں نے علیٹی کے متعلق نگار کے جواب میں کیسے شائع کیا۔ شاید اس لئے کہ اگر کوئی گمراہی میرے مضامین سے پیدا ہو گئی ہے تو وہ اس طرح دور ہو سکے، لیکن اگر جواز کیلئے صرف یہ شرط کافی ہو سکتی ہے تو میں بھی عرض کر سکتا ہوں کہ جس چیز کو وہ سلامت ردی سمجھتے ہیں، میرے نزدیک وہی گمراہی ہے اور اس لئے مجھے بھی اس بنا پر حق حاصل ہے کہ اس سے لوگوں کو آگاہ کروں۔

رہا جناب وصل کا یہ فرمانا کہ اس قسم کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے ہندوستان میں بڑے بڑے لوگ موجود ہیں یہ کام انہیں چھوڑ دیا جاتا تو بہتر تھا، سو اس کے متعلق بغیر اس جسارت کے کہ میں ان اعظم رجال و اکابر امت کی نہرست مرتب کر کے ان کے مفید کارناموں پر تبصرہ کرتا، یہاں صرف اس قدر عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ جناب وصل کی ذہنیت جس شخص پرستی سے معمور ہے اس سے میں بحد اشد بہت دور ہوں اور میں ایک لمحہ کے لئے یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ علم و فضل صرف چند در سگا ہوں کی چار دیواری میں محدود ہو گیا ہے۔ اور خدا جس قدر سرمایہ عقل و فراست نوع انسان کو دینا چاہتا تھا، وہ رازی و غزالی تک پہنچ کر ختم ہو گیا ہے۔ جناب وصل نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ میرے مضمون اور جناب گویا کے جواب پر تبصرہ کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے خود اس کو مناسب نہیں سمجھا حالانکہ وہ اپنے نوٹ میں جو کچھ لکھ چکے ہیں وہ بھی تبصرہ ہی ہے اور اس سے جو کچھ مترشح ہو رہا ہے وہ کافی ثبوت ہے (میرے نقطہ نظر سے) انکی ترداد منی کا۔

اس دہراں میں مجھے مسلسل سفر کرنا پڑا اور اہلبک اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ نگار مشین پرپس کے قیام کی ابتدائی مشکلات، دفتر نگار کے انتقال مکانی کی زحمتوں اور ایک نئی جگہ پہنچ کر اس کو اپنے ذوق کی ضروریات کے مطابق بنانے کی دقتوں نے توازن عمل، اور توازن ذہن و دماغ، دونوں کو درہم برہم کر رکھا ہے اور شاید ابھی ایک مہینے تک یہ منتشر شیرازہ یکجا نہ ہو سکے گا۔

یہی سبب ہے کہ اس مہینے میں نہ استفسارات کا جواب دے سکا، نہ معلومات کا حصہ مرتب کر سکا اور نہ اجاب کے خطوط کا جواب وقت پر لکھ سکا، لیکن یہ یقین ہے کہ اپریل کا رسالہ اس سے زیادہ منظم حالت میں اور مہی کی پوری کیفیت اعتدال کے ساتھ شائع ہو سکے گا۔

ان حضرات کی خدمت میں، جن کے مضامین و استفسارات اتناک شائع نہیں ہو سکے خصوصیت کیساتھ اظہار معذرت کرتا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ جلد از جلد ان کی زحمت انتظار کو دور کر سکوں۔

فروری کا آخری ہفتہ میں نے حیدرآباد میں بسر کیا لیکن اس حال میں کہ کسی ایک دوست سے بھی نہ مل سکا۔ سکندر آباد کے جسٹک ہوٹل میں قیام رہا مگر اس طرح جیسے ایک مریض بیمارستان میں رہتا ہے۔ میں وہاں پہنچے ہی علیل ہو گیا اور حسب وقت روانہ ہوا ہوں اس وقت بھی تب میں مبتلا تھا۔ ہر چند میں نے وہاں بہت کم حضرات کو اطلاع دی تھی، لیکن اب جو خطوط شکایت کے آ رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہیں علم نہ ہونا چاہئے تھا وہ بھی میرے سفر سے آگاہ ہو گئے۔ بہر حال چونکہ میرا حیدرآباد جا کر کسی سے نہ ملنا بالکل میرے اختیار سے باہر تھا۔ اس لئے نہ کسی معذرت کی ضرورت ہے نہ طلب عفو کی۔ بیان حقیقت کے طور پر اس قدر عرض کر دینا البتہ ضروری تھا۔

نیاز فچیوری

مع
دارالادب لکھنؤ کا علمی ادبی ماہوار رسالہ
آرٹیکل اور نثر اور شاعری کی حقیقی تصویر
مستند سا تذکرہ کلام اور غنائیں
اور اردو زبان اور اردو شاعری کی حقیقی تصویر
اور اپنے نگار میں فاضل قیام رکھنے والا آپ کو
"دماغ" کے سوا دوسرا نظریہ نہ آئے گا۔
تین سالانہ پانچویں نمبر مع حصول
پہنچنے کا پتہ: "نیاز فچیوری" لکھنؤ

عرب اور ان کا تمدن

بادنشین عرب جو دنیا کی نظروں میں ذلیل تھا اور جس کے زمانہ کی تمدن قومیں اُسے بے علم و ہنر سمجھ کر اس کی تمام باتوں کو غیر قابلِ توجہ سمجھتی تھیں۔ اسلام کی جلوہ فرمائی کے بعد لوگوں کی توجہ کام کر دین گیا اور وہی تمدن قومیں جو کل تک اس کی طرف توجہ نہ کرنی اپنی ذلت سمجھتی تھیں آج اس کے نام کا کلمہ پڑھنے لگیں۔ دنیا میں مختلف تمدن گزرے، اور قومیں اپنا کمال دکھا دکھا کر رخصت ہو گئیں لیکن عرب ہی وہ قوم تھی جس کا تمدن آج تک دنیا کی زندہ قوموں میں جاری و ساری ہے، مشرق میں بینقیا، اور الشوریہ، بابل و بینقوا، کے تمدن جلوہ گر ہوئے اور مغرب میں رومیوں اور یونانیوں نے اپنی دانیوں سے دنیا کو علم و تہذیب سے آراستہ کیا، مگر ان تمام تمدنوں کا معمولی خاکہ بھی اگر تم دنیا کی تمدن قوموں میں ڈھونڈو گے تو شاید ہی پاسکو، ہاں اگر تم مر جانے والی قوم کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہو اور دنیا میں اس کی زندہ یادگاروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ کہ میں تمہیں وہاں کی سیر کروں، اور عرب کی ہے آب و گیاہ سرزمین میں پیدا ہونے والے آقا کے غلاموں کے کارناموں سے تمہاری حیرانی میں مزید اضافہ کر سکوں۔

قومیں جب اپنی اعلیٰ زندگی کے مراحل طے کر چکنے کے بعد اسفل کی طرف گرنے لگتی ہیں تو اپنے تمام اعلیٰ اوصاف اور اپنے تمام ایجاد کردہ علوم و فنون بھی ذن کر دیتی ہیں۔ اور سوا چند آثار و عمارات اور بعض علمی ذخیروں کے کچھ نہیں چھوڑتیں۔ لیکن عرب قوم اس سے مستثنیٰ ہے۔ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ وہ کون سے اسباب ہیں جنہوں نے اس قوم کی اکثر چیزوں کو زندہ رکھا ہے دنیا میں اس اولوالعزم قوم کے حالات کی تدقیق میں خود اس کے ہم مذہب اور غیر مذہب مورخین نے جتنی اعتنا کیا ہے وہ دنیا کی کسی قوم کے لئے نہیں کی گئی، ہاں خوبیوں کے ساتھ ساتھ لغزشوں کا بھی شمار کیا گیا ہے اور بے نصیبی کے ساتھ تعصب کا بیونہ بھی جوڑا گیا ہے لیکن پھر بھی اس کے برابر کسی قوم کے حالات موافقت میں نہیں لکھے گئے۔

عرب اور ان کے تمدن پر مفصل نظر ڈالنے کے لئے زمانہ درکار ہے لیکن میں درحقیقت ان کئی شواہد پر اکتفا کر رہا ہوں جو زندہ قومیں اپنے لئے ضروری تصور کرتی ہیں اور جن چیزوں کو غیر تمدن قومیں اپنے تمدن بھائیوں میں دیکھ کر ان کو تمدن شمار کرتی ہیں۔ عرب جو اپنی بادادت و شہری زندگی سے غیر مانوس ہونے میں دنیا کی تاریخ میں بے نظیر شمار کئے جاتے ہیں واقعتاً وہ ایسے ہی تھے اور ان کا شمار دنیا کی غیر تمدن قوموں میں بدرجہ اتم تھا۔ نہ تو ان کے پاس عیش و عشرت کے سامان تھے نہ ان کے رہنے سہنے کو بڑے بڑے محل و تصور تھے اور نہ وہ دنیا کی ان چیزوں کے خواہاں، ان کا تمدن بکریاں چرائی، اونٹوں کی پرورش کرنی، اور دودھ دودھنا تھا، اور سب بڑی چیز اپنے غلط طریقہ پر سمجھے ہوئے آباء دین یعنی دین ابراہیمی کی پاسبانی تھی وہ معمولی معمولی باتوں پر آپس میں کٹ مرنے اپنے لئے باعث

فخر سمجھتے تھے۔ وہ اپنی خاندانی لڑائیوں کو جو محض معمولی باتوں پر کبھی اونٹ کے پانی پلانے کی سبقت پر اور کبھی گھوڑوں کے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے پر ہوا کرتی تھیں۔ مدت دراز تک جاری رکھتے تھے۔ الغرض صحیح انسانی اطلاق کے وہ بالکل مصداق نہ تھے اگرچہ انکا دماغ بہت اعلیٰ تھا ان کی ذکاوت و ذہانت میں کوئی انکا ہمسر نہ تھا۔ لیکن یہ چیزیں کسی اعلیٰ معلم کی نظر کرم کی محتاج تھیں۔ زمین صالح تھی لیکن کسی ایسے ابرہیم کی ضرورت تھی جو اپنی سیرانی سے زمین کو سیر حاصل بنا دے اور وہ خشک زمین جو مدتوں سے آسمانی بارش کے منتظر رہا اپنا منہ کھولے آسمان کی طرف تک رہی تھی اُسے آسمانی بارش چھو لے اور وہ دنیا کی اور زمینوں کی طرح اپنے بکالے ہوئے غلوں سے انسانوں کو فیضیاب کرے۔ کیا معلوم تھا کہ قدرت کو یہی منظور ہے کہ وہ خطہ ملک جو کبھی دنیا کی نظروں میں نگاہ وقت سے نہ دیکھا گیا وہ دن دور نہیں کہ دنیا کی قوموں کے لئے مشعل ہدایت بننے والا ہے اور دنیا اپنی کامیابی کا حصر اسی کی اطاعت میں سمجھنے والی ہے۔ اور یہی وہ خطہ زمین ہے جہاں دین و دنیا دونوں زندہ کچانے والی ہیں۔ بالآخر وہی ہوا اور دنیا و دین کے آخری تاجدار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کی سرزمین میں مبعوث ہوئے اور وہی عرب آہستہ آہستہ اپنی دینی و دنیاوی زندگی کو تکمیل تک پہنچانے لگا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا عظیم ترین مقصد دینی اصلاح تھی لیکن دنیا میں رہائش کا بہترین طریقہ بھی آپ ہی نے بتایا، اسی اصول پر صحابہ کرام چلتے رہے اور وہ تمام دنیاوی فتوحات جو عہد صحابہ میں ہوئے وہ دین کے تابع تھے اور دین ہی کے لئے کئے گئے تھے۔

لیکن سرزمین عرب جو دو بدادت سے بھل کر دو حضارۃ میں آچکی تھی وہ اپنے تئیں دنیا کی تمام جائز چیزوں سے متمتع ہونا لازمی سمجھتی تھی اور جو اپنی اس خداداد مہمت و تفقیش سے آئندہ نسل کے لئے کوئی بیش بہا خزانہ چھوڑنا چاہتی وہ کیونکر دنیاوی ترقیوں میں کمال تک پہنچتی آہستہ آہستہ اس نے ملکوں کے نظم کی طرف توجہ کی، مفتوحہ ممالک کی سیر حاصل زمینوں کو اپنی توجہ خاص سے شاداب بنایا دینا کے بڑے بندر گاہوں کی تسخیر کے بعد تجارتی سلسلوں کے بڑھانے کے لئے بیڑے تیار کئے الغرض جب ملک پوری طرح اقتصادی تباہیوں کے دور سے گزر گیا اور سیاسی اغراض کے حصول کے لئے جتنی لڑائیاں جاری تھیں اختتام کو پہنچیں تو ان کی طبیعت علوم و فنون، صنعت و تجارت، ایجادات و اختراعات کی طرف متوجہ ہوئی علوم و فنون جو دنیا میں کسی قوم کا حصہ نہیں وہ دوسری زبانوں کی کتابوں کے ذریعہ معلوم کئے جانے لگے اور خلیفہ ماموں نے اپنے زمانے میں یونان کے تمام علوم عربی زبان میں منتقل کر لئے، اُن علوم کا بڑا حصہ فلسفہ اور منطق کے دقیق مسائل پر مشتمل اور اکثر اسلامی اصول سے ٹکراتا تھا۔ اسی لئے ایک جماعت نے جہاں اُن سے اپنی علمی معلومات میں اضافہ کیا وہاں ان کے بہترے غلط عقاید کی خوب دھجیاں اڑائیں اور ان دو علموں کو کچھ اس طرح حاصل کیا کہ وہ ان کے مذہبی کتابوں کے جزو لاینفک بن گئے، عربوں کی سب سے پہلی توجہ علم و صنعت ہی کی طرف کیوں ہوئی؟ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو قوم اپنے آپ کو معراج کمال پر پہنچانا چاہتی ہے وہ سب سے پہلے علوم دنیوی کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتی ہے کیونکہ پہلا زینہ ارتقائی دو چرخہ ہیں۔

اب میں تفصیل دار آپ کو ان علموں کو گنا نا شروع کرتا ہوں جن کو عربوں نے اپنے زمانے میں ترویج دیا اور جن کی انہیں کی ایجادات میں علم منطق، فلسفہ، ریاضی، جغرافیہ، طبیعیات، جبر، ثقیل، فنون، کشفیات، علم حیوانات و نباتات، طب، مصوری، سنگ تراشی، فنون حرفتی فن تعمیر، فن تجارت،

اس کے علاوہ ایک دوسری شق ملکی و معاشرتی انتظام، بین الاقوامی تعلقات، اصول سلطنت وغیرہ، یہ بھی ایسی چیزیں ہیں جن کی بہتری و تمدنی بہتری اور جنگی خرابی سے تمدنی خرابی ہے۔ یہ چیزیں بھی عرب میں بدرجہ اتم موجود تھیں جن کا تفصیلی بیان لکھا جاتا ہے۔

یہ تو دنیا جانتی ہے کہ عرب کے ملکی و معاشرتی قوانین سب کے سب قرآن حکیم و سنت رسول کریم سے ماخوذ تھے، صحابہ اور تابعین کے دور تک نہ تو انہیں زمانے نئے واقعات اور نہ اس قدر عجیبیت سے مزوج و متصل کیا تھا کہ وہ نئے مسائل کی تخریج اور ان کے طرز معاشرت کی طرف مائل ہوتے، ان کی معاشرتی زندگی نہایت سادہ تھی، اور وہ تمام قرآن و حدیث سے ماخوذ تھی قرآن نے اپنے اقربا کے ساتھ برتاؤ کے لئے جو طریقہ وضع کیا تھا وہ ان میں رائج تھا۔ آپس کے مقدمات کے فیصلے نہایت سادگی اور صحیح اصول پر کئے جاتے تھے مساوات حد درجہ قائم تھی، ایک مسلمان جو دنیا کے کسی گوشہ کا رہنے والا کیوں نہ ہو کسی اسلامی ملک میں جا کر متبذل نہیں رہ سکتا تھا اس کے لئے وہ تمام حقوق تھے جو وہاں کے خاص مسلمان باشندوں اور امیروں کے ہو سکتے تھے، اور اپنی ذمی رعایا کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ نہایت اچھا تھا وہ ان سے اپنی سلطنت کے ٹیکس کے لینے کے بعد ان کی جاں و مال، اسباب و متاع اور ان کی عزت کی نگہبانی کرتے تھے وہ ملک کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کئے جاتے تھے اور وہ سب کچھ کر سکتے تھے جس کا ان کا دل خواہشمند تھا۔ الغرض ان کی معاشرت زندگی نہایت مکمل تھی جس کا اعتراف ہمارے علاوہ یورپ نے بھی نہایت فخر سے پیشانی سے کیا ہے۔

موسیو پیلے جو ایک نہایت محقق اور عالم مذہبی مصنف ہیں اور جنہوں نے ایک بے نظیر کتاب مشرق پر لکھی ہے وہ لکھتے ہیں ”مسلمان ان نظامات میں جو اقوام مزدوری پیشہ کی بہبودی کے متعلق ہیں اس وقت تک ان سخت غلطیوں سے بچے ہوئے ہیں جو مغرب میں واقع ہوتی ہیں ان میں اب تک وہ عمدہ نظامات کامل طور سے باقی ہیں جن کے ذریعہ سے انہوں نے امیر و غریب و غلام و مالک میں صلح قائم رکھی ہے اس قدر کہنا کافی ہے کہ وہ قوم جسکو تعلیم دینے کا دعویٰ یورپ کر رہا ہے فی الواقع وہ قوم ہے جس سے خود اسے سبق لینا چاہئے“

عربوں کے ملکی نظامات کا پتہ وسعت کے ساتھ ان عربی تصنیفات سے لگ سکتا ہے جن میں بصرحت اس کا ذکر موجود ہے اور جو آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے خلفائے بنی امیہ نے مدینہ منورہ کے بعد حبیب دمشق کو اپنا دار السلطنت بنایا تو اس وقت سے انہوں نے ملکی انتظامات ترقی و استواری کا کام شروع کر دیا تھا لیکن قدرت نے ترقی کا جو حصہ عباسیوں کے لئے چھوڑ رکھا تھا وہ کسی نہ کسی صورت سے انہیں سے لے لئے گئے اور بالآخر عباسیہ نے عروج پکڑا تو انہوں نے اس دار السلطنت کو بل کر دجلہ کے اوپر بابل کے قریب شہر بغداد کی بنیاد ڈالی جس نے بہت ہی جلد مشرق کے شہروں میں ایک عالمگیر شہرت حاصل کر لی اور آہستہ آہستہ دنیا کا عظیم ترین

شہر بن گیا۔ ہارون رسکھد میں برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور اُس نے بہت ہی جلد اپنے وسیع ملک کا انتظام کیا، تمام ملک میں سڑکیں بنائی گئیں اور ان پر ڈاک قائم کی گئی جن کے ذریعہ سے قاصد دور دور کے فاصلہ تک بہ آسانی دسبرعت پہنچنے لگے، نامہ بر کبوتروں کی بھی ڈاک قائم کی گئی اور اس کا انتظام بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ آج یورپ کے بعض شہروں میں ہے۔ خطوط رسانی کا صیغہ بغداد میں بھی جیسا کہ آج یورپ میں ہے ایک بہت بڑا صیغہ شمار کیا جاتا تھا، ہر ایک صوبہ میں ایک والی تھا جس کے ہاتھ میں صوبہ کی ساری حکومت تھی۔ دور کے صوبہ جات کے والی جیسے شمالی افریقہ وغیرہ وہ اکثر خلیفہ کے قائم مقام کہلاتے تھے اور ان کا یہ عہدہ موروثی تھا اور یہ کسی قدر خود مختار بھی تھے۔ جو بالاخر پوری طرح خود مختار بھی ہو گئے۔ ملک کا مالی انتظام نہایت ہی باقاعدہ تھا، آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے، اول ذاتی و شخصی محصول، دوم خفین سا محصول مقبوضہ زمینوں پر، سوم جنگی کا محصول، چہارم غیر مزدور عارضی کا محصول، مورخین نے لکھا ہے کہ خلافت کی مجموعی سالانہ آمدنی دس کروڑ روپیہ تھی جو اس زمانہ کے لئے ایک بہت ہی خطرناک رقم ہے۔ مالگزار کی نگرانی ایک مجلس وزراء کے سپرد تھی جسے دیوان کہتے تھے ابن خلدون لکھتا ہے کہ، انتظام مالگزاری کا دیوان اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ آمدنی کی نگرانی اور بادشاہی حقوق کی حفاظت کرے اور مداخل و مخارج میں تناسب قائم رکھے اور فوج کی تعداد اور اسکی تنخواہ مقرر کر کے اس دیوان میں بہت ہی لائق محاسب رکھے جاتے ہیں اور انھیں نشیان دیوان کہتے ہیں، دیوان کا اطلاق اس عمارت پر بھی ہے جس میں وزراء جمع ہوتے ہیں، ملک کا انتظام چار صیغوں میں منقسم تھا، اول صیغہ حرب دوم صیغہ مالگزاری جس کا کام محسولات کا قرار دینا تھا، سوم صیغہ شخصی جو محصولات کے وصول کرنے والوں کو مقرر کرتا تھا چہارم صیغہ انتظامی جس کا کام مداخل و مخارج کی نگرانی تھی، خلیفہ کے کل احکام کچھ جلتے تھے اور اس غرض سے دفتر میں رکھے جاتے تھے کہ خلفا رہا بعد انکی طرف بہ آسانی رجوع کر سکیں، اس ساری کل کی کنجی ایک وزیر کے ہاتھ میں رہتی تھی جو بطور مدارالہام ہوا کرتا تھا، اور اکثر خلفاء کل امور ملکی کو اسی کے اختیار میں چھوڑ دیا کرتے تھے، شہروں کی کوتوالی کا انتظام ویسی ہی عہدگی کے ساتھ تھا جیسا کہ ڈاک اور مداخل و مخارج کا۔ تاجروں کی مجلسین قائم کر دی گئی تھیں جنکا فرض یہ تھا کہ معاملات تجارت کی جانچ پرتال اور فریب و دغا بازی کا انسداد کریں۔ خلفائے عباسیہ کے مداخل و مخارج کے انتظام نے انھیں بہت بڑے بڑے رفاہ عام کے کام کرنے کا موقع دیا تھا۔ ملک میں سنزکیں بن گئی تھیں، کاروانسراے، مساجد، شفاخانے مدارس، ہر طرف علی الخصوص بصرہ، بغداد، موصل میں بکثرت قائم ہو گئے تھے۔ کاشتکاری اور حرفت نے بھی بڑی ترقی کی تھی، باریک اور عمدہ کپڑوں کے کارخانے، موصل، حلب، دمشق میں قائم تھے، نمک گندھک، سنگ مرمر، لہسہ اور سیسے کی کانیں بہت ہی باقاعدہ طور پر کھودی جاتی تھیں اور انکی پیداوار صرف میں آتی تھی تعلیم علم کا صیغہ بھی ایک بہت وسیع اصول پر قائم ہوا تھا تمام حصہ عالم سے مشہور فضلاء اور اساتذہ بلائے گئے تھے علم ہیئت کی اس درجہ ترقی ہوئی تھی کہ وہ کام جس کو اسوقت یورپ کی قوموں نے بالکل زمانہ حال میں کیا ہے، اسوقت ہو چکا تھا۔ یعنی دیکھ نصف النہار کے ایک قوس کی پیمائش کی جلدی تھی، قدما و روم و ایران کا کلام علی الخصوص وہ کلام جو فلسفہ و ریاضیات سے متعلق تھا ترجمہ ہو چکا تھا اور کل مدارس میں پڑھا جاتا تھا، زمانہ قدیم کی تحقیقات بھی جو یورپ میں کئی صدی بعد شروع ہوئیں عربوں میں عام طرح سے

جاری تھیں عربوں نے علوم کے حاصل کرنے میں جو ان کے لئے ایک نیا شغل تھا نہایت مستعدی ظاہر کی، عام کتب خانے، مدارس علمی کے مقامات پر ہر جگہ کثرت سے قائم ہو گئے تھے، عربوں میں علم حاصل کرنے کی خواہش اس درجہ تھی کہ خلفائے بغداد ہر ایک تدبیر سے دنیا کے مشہور علماء اہل کمال کو اپنے دار السلطنت میں جمع کرتے تھے ایک خلیفہ نے تو شہنشاہ مشرق سے محض اس لئے اعلان جنگ کیا کہ وہ ایک مشہور مهندس کو بغداد میں درس دینے کے لئے بھیجنے پر مجبور ہو جائے علماء و فضلاء ہر قوم دہر مذہب کے، یونانی، ایرانی، قبطی، کلدی، اس شہر میں آکر جمع ہو گئے تھے اور انہوں نے اسے تمام دنیا کے علوم کا مرکز بنا دیا تھا، ابو الفرج لکھتا ہے کہ ہارون الرشید کے بیٹے ماموں کا یہ قول تھا کہ علماء اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں ہیں جسے اس نے فہم و ادراک کو کامل کرنے کے لئے انتخاب کیا ہے یہ لوگ دنیا کی مشغلیں دور رہیں ان نوع انسانی ہیں اگر یہ نہ ہوں تو دنیا پھر اپنی اصلی وحشی حالت پر آجائے، جبکہ خلفائے بغداد کے دربار میں اس قسم کے باکمال اشخاص موجود تھے تو پھر وہ کیوں نہ اپنے دار الخلافہ کو تمام عالم میں اول سمجھتے، اس دربار میں نہ فقط علم ہی کا چرچا تھا بلکہ اس کی شان و شوکت بھی بے انتہا تھی، ابو الفدا نے شہ ۳۷۷ میں سفیر دولت مشرقی کے بغداد میں آنے اور اسکی پذیرائی کا حال لکھا ہے اس ہیں بغداد کی مشرقی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ لکھتا ہے کہ، خلیفہ کی ساری فوج کمر بستہ تھی سوار پیدل کی جمعیت سولہ ہزار تھی جو فوجی انصر زرق برق و دریاں پہنے اور ہر تکلف پر تلے لگائے ہوئے جنہیں موتی اور سونا چمک رہا تھا اپنے افسر اعلیٰ کے گرد صف بستہ تھے، ان کے پیچھے سات ہزار خواجہ سرائے جنہیں چار ہزار گورے چٹے تھے ان کے بعد سات سو محلسرانے کے محافظ تھے، مرصع کار، بجرے اور کشتیاں و جہلہ پر اپنے پھریرے کا لطف دکھا رہی تھیں، قصر شاہی کے اندر عجیب قسم کا تکلف تھا، اڑتیس ہزار شجر کے پردے جابجی آویزاں تھے، جن میں ساڑھے بارہ ہزار ریشمی کلابتوں کے کام کے تھے، بائیس ہزار قالینوں کا فرش تھا، خلیفہ کے سامنے سو شیر ببر تماشہ کر رہے تھے اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ محافظ تھے۔ ایک درخت سونے اور چاندی کا تھا جس کی اٹھارہ شاخیں تھیں اور ان پر ہر قسم کی چڑیا بیٹھی ہوئی زمزمہ سنچ تھیں۔ درخت کے پتے اور چڑیاں مختلف بیش بہا فلزات سے بنی ہوئی تھیں، درخت بالکل قدرتی معلوم ہوتا تھا گویا ابھی جگل سے اُٹھ آیا ہے۔ ان تمام تیاریوں کے بیچ میں وزیر اعظم نے سفیر مشرقی کو خلیفہ کے تخت تک پہنچا دیا خلفائے بغداد کی فوجی قوت کا اندازہ ذیل کے ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ شہنشاہ قسطنطنیہ جو یونان و روم کے جانشین تھے، خلیفہ کو لازمی طور پر خراج دیا کرتے تھے ہنسی فور نے جو شہزادی آئرنی کے بعد تخت پر بیٹھا اس نے خلیفہ ہارون الرشید کو لکھا کہ میں آئندہ سے خراج نہ دوں گا، اس کے جواب میں جو خط خلیفہ نے لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین روم و یونان کی تخت نشین اولاد کس طرح عربوں کی نظر دلوں میں ذلیل و رسوا تھی، وہ جواب یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہارون رشید امیر المومنین کی طرف سے بنام رومی کتے نیسی فور کے، اداکار کے بچے، میں نے تیرا خط بڑھا میرے جواب کا متوقع نہ رہ تو دیکھ لیگا کہ کیا ہوتا ہے، فی الواقع اس سگ رومی نے دیکھ بھی لیا، ہارون نے اس کے تمام ملک کو زیر و زبر کر ڈالا اور اس عیسائی شہنشاہ قسطنطنیہ کو خلیفہ اسلام کی بارگاہ میں خراج دینا ہی پڑا

عبث ہے اور یہ فن کچھ اس طرح رواج پایا کہ عربوں کے بعد بھی اکثر اسلامی بادشاہوں نے اپنی فیاضیوں سے اس کی ترویج میں بڑی مدد کی، عربوں کے عروج کے دور میں یوں تو اس کا اصلی مرکز بغداد تھا لیکن، سمرقند، دمشق، قاہرہ، فاس، طلیطلہ، قرطبہ، دہلی، یہ سب شہر بھی اس کے مرکزہ بن گئے ہیں، علم نجوم و علم الافلاک میں کیا کیا چیزیں عربوں نے دریافت کی تھیں اس کے لئے تو وقت درکار ہے، اور مضمون کے بجائے کتاب ہی اس ضرورت کو پوری کر سکتی ہے، لیکن ان مشہور ہندسوں کے نام لکھتا ہوں جو اس فن میں کامل گزرے ہیں، یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ مختلف تباہیوں اور بربادیوں کے بعد بھی یہ علم مسلمانوں کی تحقیقات کا آماجگاہ و زیر بار احسان رہا ہے، اور بغداد ہی میں سات صدی تک برابر اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔ پہلا شخص محمد بن جبر البستانی ہے یہ ہندسین کا امام ہے اور اس نے تیسری صدی میں رحلت کی، ابن ماجور اور موسیٰ ابن شاگرد مورخ کے تین بیٹے جو محمد، احمد، احسن، کے نام سے مشہور ہیں یہ سب بڑے ہندس گزرے ہیں۔ اسی طرح ابوریحان محمد البیرونی ہے جو علم ہئیت کا بڑا عالم و دانا تفکار تھا، دنیا کے مشہور مقامات کا سفر کیا، اور ہندوستان میں بھی آکر ہندوؤں کے درمیاں رہا ان کی زبان، ان کے علوم و فنون، فلسفہ، لٹریچر، ان کے اوضاع و اطوار، رسم و رواج، ان کے قوانین و مذہب اور ان کی ضعیف الاعتقادی کا بغور مطالعہ کیا، پھر ہندوؤں کو بغداد کے ہندسین کی تحقیقات پر مطلع کیا اور اپنے مشاہدات کو قلمبند کیا جو اس کے سفرنامہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابن ہشیم مصری یہ بھی دنیا کے ممتاز ہندسین میں ہے اس کی کتاب، کتاب المرآۃ المناظر، دنیا کے بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے جس کا تسلی نسخہ مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

علم جغرافیہ کا حال تو نہ پوچھئے بدقسمتی سے وہ علم جس کی ایجاد ہی کا نہیں بلکہ کمال اور انتہا تک پہنچا دینے کا فخر عرب قوم ہی کو ہے، آج وہ ہمارے مدارس کے نصاب سے اس طرح خارج کر دیا گیا ہے کہ کوئی عربی دان مسلم یا طلبہ اس کی معمولی واقفیت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتے، جغرافیہ کے تھوڑے معلومات عرب تاجر سلیمان کے سفرنامہ سے ملتے ہیں اور غالباً سب سے پہلا جغرافیہ وہی سفرنامہ ہے، سعودی یہ بھی ایک بڑا جغرافیہ داں ہے اور مردج الذہب، حبیب منجملہ اور مضامین کے ملکوں کی حالت، پہاڑ، سمندر، بادشاہی خاندان ان کی اقوام کے شعبے وغیرہ معلوم ہوتے ہیں، ابن حوقل، البیرونی، جو بڑا ہندس بھی ہے، ابو الحسن علی بن ابی القاسم بن ماجور، ابن بطوطہ الاسطخری، اور سب مشہور جغرافی، اور سیسی، یہ سب سے بڑے بڑے جغرافیہ نویس گزرے ہیں۔ اور عجب اتفاق کہ مصری شاہی خاندان کے ایک فرد کا سفرنامہ جو انھوں نے یورپ سے واپس آکر "الدنیانی باریں" کے نام سے شائع کیا ہے اس میں ایک فہرست مسلمانوں کے مختلف علوم و فنون کے کتابوں کی دی ہے جو جرمنی سے شائع ہوئی ہیں اس میں زرخشری کی ایک کتاب، کتاب الامکنۃ و الجبال، کا نام بھی لکھا ہے جس سے اس معرّی عالم کی علم جغرافیہ سے واقفیت کا پتہ لگتا ہے۔ طبعیات و جبر ثقیل، یوں تو عربوں کی اکثر تصنیفیں کھو گئیں لیکن جو دو چار کتابیں دست برد زمانہ سے اب تک بچ گئی ہیں۔ ان میں کتاب المناظر جس کا ادب ذکر آچکا ہے ایک بہتر اور لا جواب کتاب ہے جس میں روشنی اور شعاعوں سے پوری بحث کی گئی ہے اور مستقیم، منعکس، منعطف، شعاعوں کی خوب خوب تفصیلیں بیاں کی گئی ہیں۔ اسی طرح

جرثقیل کے مختلف آلات عربوں نے ایجاد کئے تھے وہ اگرچہ ہم تک نہیں پہنچے لیکن کتابوں سے ان کا علم پہنچ گیا ہے آخر یہ بڑی بڑی عمارات کے اوپر اتنے بڑے بڑے پتھروں کا پہنچانا اور بڑی بڑی چیزوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، کس طرح ہوتا تھا۔ گھڑی کے لنگر کا ایجاد کرنا اور خود گھڑی کا ایجاد کرنا، اور اس گھڑی کا پتہ یثوب ابن صبیر کے سفر نامہ سے ملتا ہے جسے میں تطویل کے خوف سے حذف کرنا چاہتا ہوں۔ مشہور کیمیا داں ہے، اور مختلف نامعلوم اجزاء کو معلوم کر کے اس نے ان کے خواص کی تحقیق کی ہے اور وہ بڑے بڑے مرکبات جن سے یونانی باطل نادانف تھے۔ مثلاً الکحل، گندھک، کاتیزاب، مار الملوک وغیرہ کو عربوں ہی نے ایجاد کیا، اور جابر کی اکثر تصنیفوں کے تلف ہو جانے کے بعد اب کتاب الاستتمام، کتاب الخواص، کتاب الاداہ، وغیرہ کا پتہ لگا ہے۔ الرازی بھی علم کیمیا کا ایک بڑا ماہر گذرا ہے جس کی مشہور کتابیں، الحادی، الجامع، کتاب الاقطاب اور منصور یہ ہیں۔ فنون واکتشافات، عربوں کی بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ عملی طور پر علوم سے حرمت میں کام لیا کرتے تھے اور اپنی حرمت میں نمایاں ترقی پیدا کر لی تھی جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے وہ گندھک، پارے، اور تانبے، لوہے، سونہ کی کانوں کو نکالنا جانتے تھے اور ان کو رنگنے کے نن میں بہت ہی کمال تھا، فولاد کے آب دینے میں بہت کمال حاصل کیا تھا جیسا ہمیں طلیطلہ کی تلواروں سے معلوم ہوتا ہے ان کے منسوجات، ہتھیار، دباغت چرم، کاغذ، تمام عالم میں مشہور تھے، عربوں کی ایک بڑی وقیع ایجاد باروت بھی شمار کیجا سکتی ہے اور اس کے ساتھ، بندوق، اور توب بھی تفصیل کو چھوڑ کر میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ عربوں کی تحقیقات واکتشافات جس طرح اور علوم میں ہیں اسی طرح طبیعیات میں بھی ہیں۔ جن کی فہرست یوں ہے۔

۱۔ اصول طبیعیات میں، اور علی الخصوص علم مناظر میں اعلیٰ درجہ کی معلومات اور باریک آلات جرثقیل کا ایجاد کرنا۔

۲۔ اصلی مرکبات کیمیائی، مثلاً، الکحل، شورہ، گندھک کے تیزاب اور ضروری عملیات، عرق کشی، وغیرہ کا ایجاد کرنا۔

۳۔ اصول کیمیا سے قرابا دین، اور حرمت علی الحصول فلزات، اور فولاد کی ساخت و رنگ سازی۔

۴۔ باروت و توب کی ایجاد۔

۵۔ جیتھڑوں سے کاغذ بنانا۔

۶۔ غالباً قطب نما کا جہاز رانی میں استعمال۔ اور اس بے بہا ایجاد کو یورپ بھجنا۔

مضمون اعتدال سے بہت بڑھ گیا۔ پھر بھی بعض کا تذکرہ رہ گیا جنہر بشرط فرصت آئندہ توجہ کیجائے گی۔

محمد عزیز الدین ندوی بھلواردی

نوٹ:- اس مضمون کی تحریر کے وقت عربی کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب پیش نظر تھیں تمدن عرب، لیسان، مسلمانان اندلس، (اسکات) تاج ہلام (سید امیر علی)، مولدین (سٹر نہری چارس لی)، مسلمانان اندلس (اسٹینلی لین پول)، وغیرہ وغیرہ۔

ایک شاعر کا انجام

(افسانہ)

--- ۱ ---

جیو پٹر سورہا ہے، دیویاں آہستہ آہستہ خوابگاہ الوہیت کے قریب جاتی ہیں اور پھر دبے پاؤں واپس آتی ہیں۔ پردار کنیزیں درجہ سبک پر دروازے کے ساتھ خلوتگاہ مقدس کے چاروں طرف چکر لگاتی ہیں اور لوٹ آتی ہیں۔

آفتاب بلند ہو کر کوہِ اولپس کی چوٹی کو زکار بنا رہا ہے، چڑیاں اپنے اپنے آشیانوں سے نکل کر پرہواہیں، کسان ہل لیکر کھیتوں میں پھونچ گئے ہیں، لکڑہارے کلھاڑیاں لئے ہوئے خشک درختوں کی تلاش میں نکل گئے ہیں، پھول کھل چکے ہیں، سبزہ شبنم سے لہک اٹھا ہے چشموں کی روانی میں تیسری پیدا ہو چلی ہے۔ الغرض ساری کائنات بیدار ہو چکی ہے، لیکن جیو پٹر ہنوز محو خواب ہے، کیونکہ بارگاہِ خداوندی کے مطرب گنگ ہیں، ان کے ساز خاموش ہیں اور وہ موسیقی جس کی نازک موجیں جیو پٹر کی نیند میں تھر تھری پیدا کر کے اس کو بیدار کرتی تھیں آج نہ معنی کے گلے سے پیدا ہوتی ہے نہ برہم کے تاروں سے

--- ۲ ---

دولت کی دیوی :-

”اے شاعر، بغیر تیرے موسیقی دیران ہے اور جیو پٹر ابھی تک بیدار نہیں ہوا، سنا ہے کہ شاعر دولت کا شہید ہوتا ہے، اس لئے سب نے مجھے منتخب کر کے تیرے پاس بھیجا ہے کہ تجھے مناکر دربار میں لے چلوں اور اگر تو چاہے تو اس کے عوض ساری دنیا کی دولت تیرے گے ڈال دوں“

یہ کہہ کر اُس نے اپنے لائے سیاہ بال پھوٹے اور شاعر کے قدموں پر موتیوں کا ڈھیر لگ گیا۔

شاعر نے جو بالکل خاموش دونوں ہاتھوں سے سر بکڑے بیٹھا تھا نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا اور پھر اسی طرح گردن جھکالی۔ دیوی اسکا انداز دیکھ کر ہنس پڑی اور شاعر کے سامنے بیٹھا نقرئی پھول بکھر گئے۔

شاعر بدستور خاموش بیٹھا رہا اور دیوی یہ سمجھ کر کہ شاید وہ اس سے بھی زیادہ کچھ چاہتا ہے آگے بڑھی اور بولی ”اے شاعر اگر تو اس پر بھی راضی نہیں تو میں تجھے دنیا کی وہ سب سے زیادہ قیمتی چیزیں دینے کے لئے طیارہوں جو سوائے جیو پٹر کے کسی اور کا حصہ نہیں۔ ہاں میں اپنے لبوں کا یا قوت، کانوں کے صدف، انگلیوں کے ہیرے اور ان سب سے بڑھ کر اپنے سینہ و شانہ کا نرم و چمکدار سونا بھی تیری

سپردگی میں دینے پہلے آمادہ ہوں، لیکن خدا کے لئے تو میرے ساتھ چل اور جیو پہر کو کسی طرح بیدار کر۔
یہ کہہ کر وہ شاعر کی آغوش میں چلنے ہی والی تھی کہ اُس نے خشونت کے ساتھ اُسے ہٹا دیا اور بولا۔ ”نہیں مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں اور نہ میں تیرے ساتھ چل سکتا ہوں کیونکہ میری شاعری خود اہلک نحو خواب ہے۔“

--- ۳ ---

شہرت کی دیوی :-

”اے شاعر، میں سمجھتی تھی کہ تجھے منانے کے لئے مجھی کو آنا پڑے گا، سچ ہے تجھے دولت کی کیا پروا ہو سکتی ہے، تیرا دماغ خود بے بہا خزانہ ہے بہترین جواہرات کا تجھے تو صرف شہرت درکار ہے، سو میں ایک تحفہ تیرے پاس لائی ہوں، اسے قبول کر۔“
یہ کہہ کر اس نے ایک نہایت نازک بلبلہ جس میں قوس قزح کے تمام رنگ جھلک رہے تھے دامن میں رکھ کر پیش کیا اور بولی ”اے شاعر دیکھ اس کے اندر کیا نظر آتا ہے، زرا غور کر، سارے آسمان وزمین میں تیرا ہی نام جلی حروف سے لکھا ہوا نمایاں دکھائی دیتا ہے۔
بارلوں کی ردائیوں شفق کی رنگینوں، پہاڑوں کی بلندیوں، دادیوں کی دستوں، سمندر کی گہرائیوں میں ہر جگہ تو ہی تو ہے۔ اے یہ طلسم بند حجاب اپنے پاس رکھ اور فضا و عالم میں حکومت کر۔“

شاعر نے برہمی کے ساتھ اُس حجاب رنگین کو لیکر زمین پر پٹاک دیا اور وہ چور چور ہو گیا۔ شاعر نے پیشانی میں شکنیں ڈال کر کہا۔
”اے دیوی، تجھے ناپایدار شہرت و عزت کی ضرورت نہیں، میں تو کچھ ایسی چیز چاہتا ہوں جو میری روح کے اضمحلال کو دور کر سکے، میں چل کر کیا کروں گا جبکہ میری شاعری مجھ سے گم ہو گئی ہے۔“

--- ۴ ---

شعر و موسیقی کی دیوی

”اے شاعر، آج تو کیوں اس قدر افسردہ ہے، کیا اب تیرا کوئی خیال موسیقی قبول کر کے تیری زبان سے شعر نکلے نہیں نکلتا۔ وہ تو مجھے معلوم تھا کہ جب تک میں نہ آدنگی تو راز دل کسی سے نہ کہیگا، دولت تیرے سامنے کیا چیز ہے، شہرت کا ناپائیدار وجود کیا حقیقت رکھتا ہے، اچھا اب اس سوگ کو دور کر اور مجھے اپنی آغوش میں لیکر اپنے سینہ کو شاعری سے بھرے، میری زبان کو بوسہ دیکر اپنی شاعری میں الہانہ ترنم پیدا کر لے، ہاں میری آنکھیں چوم لے تاکہ تو اپنے کلام سے لوگوں پر جادو کر سکے، لب سے لب مالے تاکہ تیری ہر شاعرانہ تخیل موج بادہ بن کر نکلے۔“

یہ کہہ کر دیوی اپنے نازک ہات بڑھائے ہوئے اس کے قریب پہنچی، لیکن شاعر نے اسے روک دیا اور بولا ”مجھے ایسی آواز کی شاعری درکار نہیں ہے، یہ شاعری تو تیرے سینہ و آغوش، تیرے لب و چشم کی ہوگی نہ کہ میرے دل کی۔ جا، مجھے پریشان نہ کر کہ میری آواز

آج کیفیات کے اعتبار سے بالکل نئی دست ہے۔

--- ۵ ---

حسن و شباب کی دیوی :-

”اے شاعر، مجھ سے زیادہ واقف الحال دنیا کے شاعر کون ہو سکتا ہے، لیکن میں نے کہا کہ پہلے اردو کو کوشش کر لینے دوں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ نہ تو دولت سے فریب کھانے والا ہے نہ شہرت کے سیمائی وجود پر مٹنے والا۔ اس طرح میں اس رمز سے بھی واقف تھی کہ جب تک احساس حسن قوی نہ ہو نہ سچا شعر پیدا ہوتا ہے نہ حقیقی موسیقی، اس لئے اسے میرے اچھے شاعر، گردن اٹھا، نگاہ ادبخی کر، اور جنگل کے اس سکوں میں اپنی آغوش کو لبریز جمال بنائے۔“

یہ لکھ کر حق کی دیوی، تمام ان معطر صباحتوں کے ساتھ جو فردوس ہی کے یاسمن زاروں سے حاصل ہو سکتی ہیں، تمام ان پاکیزہ نزاکتوں کے ساتھ جو کوثر و سبیل ہی کی موجوں سے استوار ہو سکتی ہیں، تمام ان رنگینوں کے ساتھ جنہیں صرف بہارِ جنت ہی پیش کر سکتی ہے۔ تمام ان کیفیتوں، سرشاریوں اور ادا ہائے جاں نستاں کے ساتھ جو صرف نوجیز شباب ہی میں نظر آ سکتی ہیں، لبوں سے شراب ٹپکاتی، آنکھوں سے انسو چھلکاتی، اعضا میں خواہش سپردگی، جوش جوانی میں التماس فشار اور سینہ کی عیا نیوں میں دعوت لذت بے اندازہ ہوئے مدہوشانہ و الہانہ، کورانہ آگے بڑھی تاکہ نوجوان شاعر کے سراپا میں آگ لگا دے، اس کو پانی کر کے بہا دے فرط لذت سے اس کی روح کو بے چین کرے باہرے آئے۔ مگر قبل اس کے کہ یہ بجلیاں شاعر کے خرمن ہوش سے کوئی خراج وصول کر تیں، شاعر نے آہستگی سے ہات بڑھا کر اسے روک دیا اور بولا۔

اے دیوی، مجھے حسن کی قوتوں کا اعتراف ہے، اس لئے تو اس کے ثبوت میں ان اداؤں سے کام نہ لے جس سے میں نا آشنا نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں تجھے اس عالم میں دیکھ کر تیرے سامنے پینے لگوں، تھر تھرنے لگوں، لیکن میرے جسم کی یہ کپکپی مجھے ہلاک تو کر سکتی ہے لیکن کسی شعر میں تبدیل نہیں ہو سکتی، کوئی موسیقی نہیں بن سکتی میری روح بالکل شل ہو گئی ہے، میرا دل برف سے زیادہ سرد ہو گیا ہے، ایسا سرد کہ شاید اب کوئی دنیاوی شعلہ اس میں گرمی پیدا نہیں کر سکتا۔ تو جا اور کھدے کہ شاعر مجھے نہیں ملا، کیونکہ تیری توہین مجھے گوارا نہیں ہے۔

--- ۶ ---

شاعر، تھک کر سو گیا، نیند اس کی روح کو سیر کراتی ہوئی اشیاء کے اس سب سے بڑے جزیرہ نما میں لے گئی جسے وحشی، جاہل اور غیر مذہب کہا جاتا ہے :-

رات کا پچھلا پہرے اور سارا گانوں سوائے اُس آبادی کے اس حصہ کے جسے عورت سے تعبیر کیا جاتا ہے سو رہا ہے۔ ہر گھر سے

جکی کی غمگین آواز ابھی ہے اور اسی کے ساتھ سادہ و نرم موسیقی معصوم سروں میں کبھی کبھی بلند ہو کر شاعر کی روح کو کسی خاص غور و فکر میں مبتلا کر دیتی ہے صبح کا وقت ہے، مرد خستہ چہرہ لئے ہوئے اٹھتا ہے اور عورت کو آواز دیتا ہے، وہ جو برتن پھیلائے ہوئے انہیں صاف کر رہی ہے، اپنے بچوں کا منہ دھلا رہی ہے اپنے انہماک میں نہیں سنتی مرد دیو کی طرح خوشخوار آگے بڑھتا ہے اور اس کے نازک جسم کو سخت آزار پہنچانے لگتا ہے وہ خاموشی سے اس ستم کو برداشت کر رہی ہے اور پھر مکان کے ایک کونے میں باتوں کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں ڈال کر کلائی کاخوں پونچھ رہی ہے اور روتی جاتی ہے مرد چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں پر غصہ نکالتا ہے اور انہیں اپنے قوی ہاتھوں کی ضرب سے لہو لہا کر کے گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ عورت اپنے جگر کے ٹکڑوں کا یہ حال گھونگھٹ کے اندر ہی اندر کنکھیوں سے دیکھتی جاتی ہے اور خاموش کھڑی کانپ رہی ہے۔ شام کو وہی ظالم مرد کسی اور گانوں کو چلا جاتا ہے اور رات کو اس کی وہی مظلوم عورت جب تنہائی میں کچھ گنگنائی ہے تو صرف یہ کہہ :-

بچہ بن پیا کچھو نہ سہائے

شاعر جاگ اٹھتا ہے لیکن ایک کراہ کے ساتھ، ایک ایسی آہ کے ساتھ جو کبھی اس کے دل سے نہ نکلی تھی۔ چیو پٹر کے مطربوں اور مغنیوں کے ساز میں نغمہ دوڑنے لگتا ہے لیکن اس درجہ جگر خراش و دل دوز کہ اولمپس کی نضائیں اس سے قبل کبھی نہ گونجتھا، چیو پٹر بیدار ہوتا ہے لیکن ایسی شدید افسردگی لئے ہوئے جو کبھی اس سے قبل اس پر طاری نہ ہوئی تھی۔ دیویاں جب شاعر کی تلاش میں پھر صحرا کی طرف جاتی ہیں تو اس کو پتھر پر سر رکھے ہوئے اطمینان کی نیند میں مصروف پاتی ہیں اس حال میں کہ اس کا کلیجہ شق نظر آتا ہے اور دل سینہ سے باہر۔

نیا ز فتح پوری

ضرورت ہے

اگر آپ کو خیمے، دریاں اور چرمی ساماں کی ضرورت ہو تو فوراً ہمیں ایک کارڈ لکھئے ہمارے یہاں ہر قسم ساماں نہایت ارزاں ملتا ہے۔ والی ریاست بڑے بڑے روڈ سا ہمارے ہی یہاں سے مال منگاتے ہیں نہرست اردو یا انگریزی کی منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارا کارخانہ صداقت کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو گیا ہے محمد حسین اینڈ کوٹنٹ مرچنٹ فتح گڑھ۔ یو۔ پی۔

دکن کے آثار قدیمہ

یادگیر

ضلع گلبرگہ کا ایک تعلقہ جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے، خطوط ۱۹ - ۶۴ شمالی اور ۵۷ - ۶۵ شرقی پر واقع ہے اس کے قریب سے رودھیا بہتی ہے اس کے نام کے متعلق کئی روایتیں مشہور ہیں مگر یہ روایت قرین قیاس ہے کہ یہاں کا قلعہ دور سے بیٹھے ہوئے ہیں کی طرح نظر آتا ہے زبان کنٹری میں بیل کو "تیو" کہتے ہیں اسی مناسب سے اس کا نام "تیوگیری" مشہور ہو گیا، جو کثرت استعمال سے یادگیری بن گیا، چنانچہ اب بھی ریلوے اسٹیشن پر یادگیری ہی لکھا ہے اور قصبائی لوگ بھی یہی کہتے ہیں، یہاں کا قلعہ بہت مشہور ہے یہ قلعہ تسلط شاہاں بہمنیہ سے پہلے کا تعمیر شدہ ہے، فیروز شاہ بہمنی نے اسے "فیروز گڑھ" کے نام سے مشہور کرنا چاہا مگر شہرت نہ ہوئی، سلطنت بہمنیہ کے ٹوٹنے کے بعد جب یہ قلعہ شاہان عادل شاہیہ کے تسلط میں آیا تو ابراہیم عادل شاہ نے ۱۵۳۷ء میں ترمیم کرائی اور ایک کتبہ نصب کرایا، کتبہ،

اَفْتَرُوْنِی التَّوْفِیْقُ دَر اَیَّامِ خِلَافَتِ اِبْرَہِیْمِ عَادِلْ شَاہْ بَکَرْ کَرْدِیْ مَرْزَا نَجَابَتِ عَلِی بَیْگَنْ تَارِیْخِ عَزَّ

جب المرجب سنہ ثلثہ و خمین و تسعمائتہ

حسوت یہ قلعہ سلطنت آصفیہ کے قبضہ میں آیا تو سنہ ۱۷۳۷ء میں نواب میر نظام علی خان بہادر غفران شاہ نے اپنی تشریف آوری کی یادگار میں ایک برج در نظام برج، کے نام سے تعمیر کرایا، سنہ ۱۷۳۷ء میں جب کہ قلعہ عبودین عبدالعزیز جمعہ ار کی نگرانی میں تھا عربوں اور رھیلوں کی جنگ ہوئی، در بڑی خونریزی کے بعد رد اہل نے قبضہ کر لیا، اس کے چند سال بعد قلعہ علاقہ دیوانی میں دیدیا گیا اور اب تک یہ قلعہ نہایت ہی عمدہ حالت میں ہے اندرونی فصیل بعض جگہ منہدم ہو گئی ہے، کسی جگہ کوئی دروازہ نہیں ہے، نیچے سے اوپر تک سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اندرون قلعہ ستیا پھل کے خود در درخت اس کثرت سے ہیں کہ ٹھرہ سالانہ (۱۵) پر نیلام ہوتا ہے، نصف سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ایک عاشور خانہ ملتا ہے جس کی چند دیواریں باقی رہ گئی ہیں، اس کے آگے ایک مسجد ہے جو اچھی حالت میں ہے جس کے قریب ہی محلات کے کھنڈ ہیں بالاحصار پر دواہنی تو ہیں رکھی ہوئی ہیں ایک پر

۱۱۹۲ھ محمد قاسم

کندہ ہے، ان کے علاوہ اور بھی چند چھوٹی چھوٹی تو ہیں رکھی ہوئی ہیں، پچھلے حصے میں قلعہ داروں کے مکانات وغیرہ ہیں جو منہدم ہو گئے ہیں اوپر ایک بڑا اور چند چھوٹے چٹھے ہیں جن میں ہمیشہ پانی رہا کرتا ہے، قلعہ سے متصل آبادی میں سید یعقوب شاہ بخاری اور شاہ جیوں صاحب کے مزار ہیں،

اسٹیشن کے قریب مسافر بنگلہ ہے جس میں سیلج وغیرہ بہ آرام ٹہر سکتے ہیں۔

شاہ پور

یہ تعلقہ ضلع گلبرگہ کی ایک تحصیل اور اسٹیشن یادگیر سے ۲۴ میل کے فاصلہ پر ہے، مسافر بنگلہ وغیرہ موجود ہے، ۱۵۹۷ء میں علی عادل شاہ نے اس قصبہ کو آباد کیا اور شاہ پور نام رکھا، اس کے پیشتر راجگان کرناٹک کے قبضہ میں تھا اور گنگ درگ اور پانی درگ کہلاتا تھا، ۱۵۹۷ء میں کشور خاں نے قلعہ کی ترسیم کی اور نصرت آباد نام رکھا اور ایک محلہ عادل پور کے نام سے آباد کر کے شاہ پور کی آبادی کو وسعت دی یہ محلہ اب "پُرانی پیٹ" کہلاتا ہے، افضل خان وزیر نے ۱۸۲۳ء میں ایک محلہ افضل پیٹ نامی آباد کیا اور مسجد بنوائی ۱۸۳۳ء میں دولت خاں نے خواجہ آباد کیا، یہاں پر دو قلعہ ہیں جو چھوٹے قلعہ اور بڑے قلعہ کے نام سے مشہور ہیں چھوٹا قلعہ پہاڑ پر ہے اور بڑا قلعہ اس کے مشرق میں واقع ہے ان دونوں قلعوں کی تعمیر کا صرفہ ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ چوراسی ہزار پانسو پچاس روپیہ بیاں کئے جاتے ہیں، ۱۶۹۵ء کو قلعہ شاہ پور عالمگیر کے قبضہ میں آیا۔ ۱۸۲۳ء میں دکن ناٹک راجہ شورا پور نے قلعہ پر قبضہ کر لیا مگر پھر ۱۸۳۱ء میں سکندر جاہ بہادر کے حوالہ کر دیا، قلعہ شاہ پور عدم نگرانی کی وجہ سے بہت خراب ہو گیا ہے تفصیل اکثر جگہ سے ٹوٹ گئی ہے، قلعہ پہاڑ پر واقع ہے اور چڑھائی کی سی قدر دشوار گزار ہے قلعہ پر شلونت آبا کا دیول اور اس کے قریب ہی سید سالار مسعود کی درگاہ ہے اس کے متصل میر شمس الدین کا مزار ہے، جس کے قریب ایک پختہ مسجد ہے، اس کے آگے قلعہ پر ایک چھوٹی سی ایک خانہ کی مسجد ہے جو نہایت ہی مستحکم اور عمدہ ہے اس کے پاس ایک ششدری مکان ہے جو قلعہ داروں کے تصرف میں رہا کرتا تھا مگر اب بالکل بیکار ہے، اس کی تعمیر میں سنگ سیلو استعمال کیا گیا ہے اس کے متصل چند اور مکانات اور کوٹھاجات شکستہ ہیں، قلعہ پر مختلف وضع اور قد و قامت کی سولہ سترہ توپیں چڑھی ہوئی ہیں، قلعہ کی پشت پر ایک تالاب ہے جس میں سرخ کنول پایا جاتا ہے، شاید اسی لئے اس کو کنول تالاب کہتے ہیں، محمد برج پر ایک کتبہ سنگ سیلو کا نصب ہے، اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۶۶۶ء میں برج تعمیر ہوا۔ کتبہ

توفیق خدا در نصرت آباد محمد برج را کردند بنیاد
بدور شہ علی سلطان عادل اتا محمد کنایب بود فاضل
تاریخش سبع سبعین الف بود مرتب برج شد در وقت مسعود

قلعہ کی مشرقی دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ میر تاج الدین نے بہد علی عادل شاہ ۱۵۶۷ء شکستہ قلعہ دیو درگ کو تعمیر کرایا۔ مگر لطف یہ ہے کہ اس قلعہ کا نام صرف گنگ درگ اور پانی درگ ہونا پایا جاتا ہے دیو درگ کے متعلق اب تک کوئی بات ہے دیو درگ ضلع راجپور دکن کا ایک قصبہ ہے :

معلوم نہ ہو سکی۔ کتبہ،

نصر من الله وناو علی صغیر و اسامی دوازده امام رضی الله عنه
 اساس دیو درگ را اے مسلمان زمین بشنو کہ مہا گویم ز بنیاد
 خراب افتاده بد دہلیز بیردیش نگر دی قمر نہا مردم ازاں یاد
 زمان شاہ عادل چون در آمد شد آں دہلیز آباد از سرداو
 پے آبادیش کردید تا ریح نو بدر میر تاج الدین بد آباد

گوگی

یہ قصبہ شاہ پور سے ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسکی تاریخ کا صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمد شاہ بہمنی نے یوسف عادل شاہ کو ۱۳۸۹ء میں من جملہ اور مواضعات کے گوگی بھی جاگیر دی، یہی وجہ تھی کہ شاہان عادل شاہیہ نے یہیں سپرد خاک ہونا پسند کیا اور ابراہیم عادل شاہ تک سلاطین عادل شاہیہ یہیں مدفون ہیں، گوگی دو حصوں پر منقسم ہے پرانی گوگی اور نئی گوگی نئی گوگی سلاطین عادل شاہیہ نے آباد کی، پرانی گوگی میں شاہان عادل شاہیہ کے مزار ہیں۔

کئی گوگی کا یہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے، اس کے سامنے اربعہ مسجدوں کے گوردوازہ اب گر گیا ہے مگر اب بھی اپنی گزشتہ عظمت و قیمت کا گواہ ہے، اس کا کتبہ ٹوٹا ہوا مسجد میں پڑا ہے یہ کتبہ کسی قلعہ کا ہے جس کے برج میں اور حصار کی تعمیر کے وقت نصب کیا گیا تھا مگر معلوم نہیں اس دروازے میں کیوں لگا دیا گیا کتبہ ۱۳۸۶ء کا ہے اس کتبے سے بعض نئے نئے شکوک پیدا ہوتے ہیں ماہرین فن تاریخ و آثار قدیمہ کے لئے نئی چیز ہے، کتبہ،

۱ حمد حصین و شکر متین مرخدا ایراکہ در عہد بادشاہ آفتاب آثار ماہ انوار دزل اقتدار عطار و شعار قطب فلک لک بنوالہ توفیق بنار حصار خطہ استاد آ باد کہ کوکبہ نگارہ ملینہ او با برج فلک

۲ ہم پہلوست و بردج با ثبات او با سیارات گردون ہم باز و مثل کوہیست کہ تیغ خورشید کمر گردنش دروازہ او مفتاح ابواب جہاں بارہ کہ در باب بانی او معمار

۳ قلعہ دیں و ایماں فرمود من نبی حصناً للہ سلام بنے الله قصراً..... لہا جعل لہ اکرام موالیا گردانید بتاریخ العزۃ

۴ من زی الحجہ سنہ ثمان و ثلاثین و سعمائیمہ یکار فرمائی ما..... خطہ مذکور مدت اعمار ہا عمارت شد

لفظ استاد آ باد نے عجیب خلش پیدا کر دی ہے

گوگی بنے دروازے کے سامنے یہ مسجد واقع ہے یہ مجموعہ ہے چار مساجد کا دو مسجدیں نیچے اور دو اوپر چھت پر واقع ہیں چھت
اربعہ مسجد { اگر گئی ہے تین مسجدیں اچھی حالت میں ہیں یہ مساجد شاہان عادل شاہیہ کی بنوائی ہوئی ہیں۔

یہ علی عادل شاہ کی بہن فاطمہ سلطان کی بنائی ہوئی مسجد گوگی قدیم میں واقع ہے، نہایت ہی مستحکم اور عمدہ عمارت ہے، چوکھٹ
کالی مسجد { سنگ سیاہ میں ترشی ہوئی اور نہایت ہی عمدہ گل کاری کی ہوئی ہے، ناصیہ دروازہ پر کتبہ ذیل کندہ ہے، کتبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نصر من اللہ وفتح قریب و بشر المؤمنین خالہ خیر حافظا و ہوا رحمہم الرحیم،

مسجد کا چبوترہ (۸۶۸) فٹ مربع ہے اس کے تین دروازے پتھر کا تراشا ہوا چھبہ ہے بیچ میں بنا کاری تھی جواب جھڑ گئی ہے، محراب کے اوپر کا حصہ
 گنبدی ہے اور اس میں بہترین روشن داں ہیں یہ نمایاں اور عمدہ خصوصیت ہے، مینار سنگ خارا کے ہیں اور عمدہ طریقہ پر صاف کئے ہوئے ہیں
 صحن کی دیوار پر اقلیدسی اصول کی بڑی بڑی محراب ہیں جن میں جالی کا کام کیا گیا ہے،

درگاہ چندا حسینی { کالی مسجد کے پیچھے سید شاہ جلال الدین عرف چندا حسینی کی چوکنڈی ہے یہ چوکنڈی ایک بلند چبوترے پر واقع
 اور مسقف ہو اندر حضرت چندا حسینی اور ان کی بیوی مخدوم جہاں اور صاحبزادے سید نور عالم مدفون ہیں
 چوکنڈی کے سامنے ایک چبوترے پر سید صاحب کے والد اور چچا کے مزار ہیں، سید صاحب کا وصال ۱۱۵۵ھ میں ہوا، چوکنڈی کے جنوب میں
 ایک حجرہ ہے جس کے دروازہ پر عبارت ذیل کندہ ہے، المحررہ ۱۱۳۲ھ۔

حجرہ دنیا بلفظ سخن ز اں شد متصف

تا بدان معنی حبیب اللہ گرد و معتلف

شاید اس حجرے میں سید حبیب اللہ حسینی چلہ کشی کیا کرتے تھے،

مزار سلاطین عادل شاہیہ { چندہ حسینی کی درگاہ کے مغربی جانب (۳۶) فٹ ہٹ کر دو الانوں میں مسلسل پانچ مزار بنی ہوئی ہیں پہلا
 مزار یوسف عادل شاہ (المتوفی ۱۵۱۹ھ) کا دوسرا سلطان یوسف کی بیوی کا تیسرا اسماعیل عادل شاہ
 (المتوفی ۱۵۲۲ھ) کا چوتھا ابراہیم عادل شاہ (المتوفی ۱۵۵۵ھ) کا اور پانچواں ابراہیم عادل شاہ کی بیوی کا ہے، والان کے اندر چار مزار ہیں جن میں
 ملو عادل شاہ (المتوفی ۱۵۲۲ھ) کا ہے والان بری حالت میں ہے اور مزار بھی کس مہر سنی کے عالم میں ہیں۔

گیند فاطمہ سلطان { انیس مزارات کے مغرب میں مسجد کے جنوبی طرف علی عادل شاہ کی بہن فاطمہ سلطان کا گنبد ہے، گنبد کے
 بیچ میں فاطمہ سلطان کا مزار ہے اور پہلو میں ایک بچے کی قبر ہے۔ یہ گنبد بھی مرمت طلب ہے۔

مغربی دروازہ { چندا حسینی کے احاطہ کے مغربی دروازے پر ذیل کا کتبہ نصب ہے، کتبہ،

الہی عاقبت محمود گردان بلا سے ناگہانی دور گردان

کہ بیشک بیانی تو رحمت خدا تصور نما قدرت قل الہ
 بدرشاہ ابراہیم عادل شاہ ابن شاہ علی عادل شاہ
 بامر الہی چو راضی شوی کہ بیشک و شبہ بجنبت روی
 بسنگ دروازہ رضا زماں شاہ عادل سلاطین پناہ
 عمرت دراز یاد چند انکہ بی نہایت دولت ہمیشہ باشد دشمن بریر پائیت
 بنا کردن شیخ خاں متولی در حال الہمیر یہ وہ صد و ہفت سال
 کسے کہ نکرده است این کردہ تمام بجز نیک نامی نماند مدام

یہ کتبہ بھی بڑا دلچسپ ہے، تاریخ تعمیر کتبہ سے ۱۵۹۰ء ظاہر مگر لطف یہ ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کا انتقال ۱۵۵۹ء میں ہوا کتبہ کو ابراہیم سے کوئی مناسبت ہی نہیں زبان اور وزن کے لحاظ سے یہی کتبہ اپنی نظیر آپ ہی ہے،

خاص بالغ { ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کا ایک بالغ بھی یہاں تھا جواب بالکل ویراں ہے البتہ دروازہ پر ایک کتبہ نصب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵۵۰ء میں میر تاج الدین سرخیل حرم کے اہتمام سے اس کی تعمیر ہوئی ہے

مزار قاضی محمود بھری { نئی گوگی میں قاضی شاہ محمود بھری کا مزار ہے، آپ یہیں کے متوطن تھے عہد عالمگیری میں شاید خدمت قضا کا مامور تھے، اور خدا رسیدہ مشہور تھے، دکنی زبان میں آپ کی مثنوی (من لگن) بہت مشہور ہے ایک اور تصنیف ۶ دس عرفاں جو تصوف میں ہے آپ کے اخلاف کے پاس محفوظ ہے من لگن کا ایک باصرہ نواز قلمی نسخہ بھی ہے۔ آپ کا انتقال ۱۱۳۰ھ کو ہوا اور ایک کھلی (غیر سقفت) جو کھنڈی میں آسودہ ہیں،

مزار شاہ منجن { قاضی محمود کے مزار کے قریب شیخ محمد شمس الدین باقر اللہ قادری مجذوب عرف شاہ منجن کا مزار ہے آپ قاضی محمود کے مرشد تھے، قاضی جی نے آپ کی تاریخ وفات کہی ہے اور ”محمد باقر آں دریاے وحدت“ میں تاریخ نکالی ہے،

مزار شاہ منجن { شمالی راستہ پر مسجد کے سامنے شاہ منجنوں قادری کا مزار ہے — آپ مجذوب تھے، ۱۱۶۰ھ میں بیجا پور سے گوگی آئے اور ۱۰ ربیع الاول ۱۱۶۰ھ کو وصال ہوا قاضی محمود نے وہاں سکے عشق شاہ منجنوں، تاریخ وفات کہی۔

عید گاہ { ایک عید گاہ سلاطین عادل شاہیہ کی بنائی ہوئی موجود ہے جس میں اب تک نماز ہوتی ہے کوئی عمارتی دلچسپی نہیں اب تو بہت خستہ حالت میں ہے۔

”سگر“

قدیم تاریخوں میں اس کو ساغر اور ساگر لکھا ہے، تعلقہ شاہ پور کا ایک قصبہ ہے اور گوگی سے آٹھ میل، شاہ پور سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

مزار صوفی سمرست { آبادی کے باہر شیخ محمد محمود صوفی سمرست کا مزار ہے آپ خواجہ نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے اور غیاث پور (متصل دہلی) کے باشندے ۱۱۶۳ھ کو تولد اور ۱۲۸۱ھ کو فوت ہوئے، ۱۲۵۹ھ کو سگر آئے، آپ کی مزار کے برابر ایک چبوترے پر آپ کی صاحبزادی محبوب بی بی عرف ترکش سلطانہ کا مزار ہے

مزار شرزہ خان { صوفی صاحب کی مزار کے جنوب مشرق میں ایک چبوترے پر دو مزار سنگین بنی ہوئی ہیں ایک مزار پر باسم سنا محمد شرزہ خان۔ اور دوسری مزار پر سر فاطمہ شرزہ خان کاندہ بے غالباً یہ قبور ایساں شرزہ خان ملازم علی عادل شاہ کی ہیں۔

مسجد عادل خان { یہ مسجد ۱۵۲۳ھ میں اسماعیل عادل شاہ کے زمانہ میں عادل خان وزیر نے بنوائی تھی، مسجد وسیع اور عمدہ ہے ۱۷۸۹ھ میں راجگان شورا پور نے مسجد کا صدر دروازہ اکھاڑ لیا، اس مسجد کا کتبہ کسی نے تاج الدین منور کی درگاہ کے پاس پھینک دیا ہے،

وزیران عدل عادل خان وزیر پر خرد

ساختمائیں مسجد جامع بتو فبق خدا

تا بماند نام خیر از دای و منور خان

طالع وقتش طلب می کرد مہدی از حساب

سال تاریخش برآمد جامع خیر ابد

مزار آنکس خان { مسجد کے مغرب میں سید خوند میر آنکس خان کا مزار ہے جو بیجا پور کے مشہور امیر تھے،

درگاہ قتال حسینی { فیروزہ دروازہ کے پاس سید قتال حسینی کی درگاہ ہے اسی درگاہ کے چبوترے پر گچ کے مزار کے سرہانے ایک سنگ سیاہ کا کتبہ لگا ہوا ہے جس کی وضع مدور ستونوں کی سی ہے کتبہ کی عبارت بالکل عجیب ہو گئی ہے صرف (۲۸۹) انگریزی میں لکھا ہوا ہے جو پڑھا جاتا ہے۔

فیروز دروازہ { صوفی صاحب کی مزار سے ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر فیروز شاہ بہمنی کا بنایا ہوا دروازہ ہے جس پر دو کتبے نصب ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کو تو ال شہر نے ۱۲۸۱ھ میں شاہ دروازہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ کتبہ (۱)

فضل خداے پاک کسے را کہ رہبر است

فتح فتح نصرت از بخشش مختصر است

ہر صبح و شام خلق بے ہست در دعا

ہر سال نام شاہ جہاں شاہ دار در است

در عہد بادشاہ جہانگیر داد گری

فیروز شاہ حاکم دپاک و مظفر است

دروازہ طاق طاق در و در جہان لطیف

فردوس ثانی است کہ شانش نہ دخور است

بانی این عمارت دروازہ کو تو ال

اعنی فہیم عہد شہنشاہ داد است

از ہجرت بمبیسر ہشتصد و دہ سال گشتہ تمام ز اں کہ دریں دہر کمتر است

۱۷۸۹ھ یہ خوند میر آنکس خان وہ نہیں ہیں جو دولت آباد میں مدفون ہیں۔

عمرش دراز بخش خدا یا چو عمر نوح
ایں شاہ را کہ شاہ جہاں بخت یا در است

کتبہ (۲)

بفرمانِ شہ فیروز اعظم
زہی فیروز مثل ظل فیروز
نہایت ادشاہ شاہانِ معظم
رسیدش خدمت اطرافِ عالم
نہایت شاہ دروازہ زہی طاق
کہ از دے طاق کسری گشت برہم
مہم فتح سلطانی بنا کرد
کہ سال شہتصد وہ لود تاریخ
ندیم خستہ عین غیر مسکین
پسند ما بخواند خلق عالم
الہا این شہر معمور داری ۸۱۰
زمانہ تاکہ زاید نسل آدم

مسجد جدید { در اصل یہ قدیم مسجد ہے ایک عرصہ تک عاشور خانہ بنی رہی جب دوبارہ مسجد کا کام لیا جانے لگا تو ہندوؤں کو اعتراض ہوا اور ایک مختصر سی جہڑپ ہندو مسلمانوں میں ہو گئی جس کی تحقیقات یہی ہوئی ہے۔ یہ جھوٹی سی مسجد ہے مہراب کے اوپر ایک کتبہ سنگ سیاہ کا نصب ہے۔

”اللہ اکبر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی دلی اللہ حقاً کتبہ ہندی“

اسی مسجد کے محاذی ایک چبوترے پر شہر نصرت آباد (شاہ پور) کی تعمیر کا کتبہ نصب ہے جو غالباً کسی نے لا کر نصب کر دیا ہے، مزار منور بادشاہ { اسی چبوترے پر تاج الدین شیخ منور بادشاہ شہید کا مزار ہے جو صوفی سرست کے صاحبزادے تھے اور ۱۳۰۰ھ میں شہید ہوئے۔

سجادہ صاحب۔ سگر کے مکاں کی ایک دیوار پر ذیل کا کتبہ نصب ہے۔

انا مدینۃ العلم و علی بابھا

محمد عونی کا بردی ہر د سراسر است
کہ ہر کہ خاک در ش نیت خاک بر سر او
شنیدہ ام کہ تکلم نمود ہچو مسیح
بدین حدیث لب لعل روح پر در او
کہ من مدینہ علم علی درست مرا
عجب خجستہ حدیثیست من سگت او

حضرت صوفی سرست کے مزار کے مشرق میں ایک ایک بادی ہے جس کی ٹیرہیوں پر دو کتبے نصب ہیں، پہلے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ باولی { فاجہاں رہا نے ۱۲۹۰ھ میں انتقال کیا یا دفن ہوا کیونکہ مصرع آخر ”درین روضہ شد“.....“ کچھ کر ختم کر دیا ہے

دوسرے کتبے سے پایا جاتا ہے کہ رضی بن زید کا سنگ مزار ہے مگر معلوم نہیں کہ بادی میں کیوں لگا دیا گیا ہے۔ مسٹر سید علی اصغر بلگرامی ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی کا خیال ہے کہ ”پہلا کتبہ ظاہر کرتا ہے کہ خداداد خان کے حکم سے ۱۱۴۲ھ میں ایک چٹمہ اور روضہ بنوایا گیا اور کتبہ نمبر ۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں رضی بن زید عرف ملک قطب ملک شہید کسی روضہ میں دفن ہوئے“

”ملکگیر“

ین، جی، ایس، ریلوے کا اسٹیشن حیدرآباد سے ۲۲۳ اور واڑی سے ۱۱۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسٹیشن سے قلعہ اور آبادی تین میل کے فاصلہ پر ہے، یہ جاگیر ہے، یہ قدیم بستی بدھ مذہب کے راجاؤں کی آباد کردہ ہے، ابتداً اسے مظفر خاں دہیلے نے لوٹا مگر عادل شاہ نے چند ہی سال کے بعد اُس سے چھین لیا اور لوٹ میں جس قدر دولت آئی تھی اس سے قلعہ تیار کر اکر مظفر نگر عرف مال کھیرا نام رکھا جو ملکگیر بن گیا۔ ہنود کے مکانات وغیرہ دامن کوہ میں اب بھی باقی ہیں جسے ملیا چل پریت کہتے ہیں، عالمگیر نے قلعہ ملکگیر جاں نثار بیگ کو دیا تھا۔ جن کا خاندان اب تک قلعہ پر قابض ہے۔

گناندی کے کنارے جسے تیرتھ سوامی کا سما ہے جو ہنود کے نزدیک بہت متبرک مانا جاتا ہے اس دیول کی جاترا وغیرہ کے لئے سکرعے سے یومیہ مقرر ہے،

اس قلعہ کی تفصیل اور دروازے مستحکم اور محفوظ حالت میں ہیں قلعہ میں (۵۶) برج اور تین دروازے ہیں سب سے بڑا برج ادپری برج کہلاتا ہے، جس پر ایک کتبہ بھی ہے مگر حرف محو ہو گئے ہیں، متفرق برجوں پر دس توپیں چڑھائی ہوئی ہیں مغربی برج پر ایک ہنواں کا دیول ہے جو تعمیر قلعہ سے قبل کا بتلایا جاتا ہے، دروازہ قلعہ کے پاس ایک اور ادپری برج پر ایک مسجد ہے قلعہ میں حضرت سید جعفر حسین کی درگاہ بھی ہے جو خواجہ بندہ نواز کے بہانے مشہور ہیں، قلعہ میں مکانات وغیرہ ہیں جو جاگیر دار کے قبضہ میں ہیں۔ ادپری برج کے پاس ہی اکتوبے تیرتھ سوامی کا مٹھ ہے، بہر حال قلعہ کسب قدر اچھی حالت میں ہے،

”سیرام“

ین، جی، ایس، ریلوے کا اسٹیشن حیدرآباد سے ۱۹۲ میل اور جنگلشن واڑی سے ۱۲۲ میل کے فاصلہ پر واقع ضلع گلبرگہ کا تعلقہ مستقر تحصیل اور ایک قدیم آبادی ہے وجہ تسمیہ یہ بیاں کی جاتی ہے کہ ایک بزرگ بیان مقیم تھے بادشاہ وقت نے انہیں جاگیر دینی چاہی آپ نے فرمایا ”سیرام“ چنانچہ یہی نام پڑ گیا مگر لوگوں نے الف اڑا کر ”ر“ کو ”ڑ“ سے بدل دیا، قصبہ کے چاروں طرف پختہ تحصیل اور برج ہیں، امرائے سلطنت عادل شاہیہ کے چند محلات آبادی میں واقع تھے اور عام طور پر مشہور تھا کہ ان میں خزانہ

مذہبوں ہے، اسی حرص میں ایک ہنگری کے یہودی نے پندرہ ایک سال ہوئے کہ تمام مکانات کھود ڈالے مگر کچھ بھی نہ ملا البتہ اس محل میں ایک چوراستہ ہے جو ندی کے نیچے ہوتا ہوا دور تک چلا گیا ہے، فی الحال یہ راستہ عبور و مرور کے قابل نہیں ہے کیونکہ کوڑا کرکٹ سے پٹا گیا ہے یہاں پر بہ کثرت منار ہیں جو زمین میں دب گئے ہیں جس جگہ کھودا جائے بڑے بڑے بت حجرہ وغیرہ نظر آتے ہیں۔ یہاں ایک دیول - پنج لنگ کے نام سے مشہور اور نہایت ہی عمدہ ہے ستون بہترین نقش و نگار سے آراستہ ہیں اور سنگ سرخ کا بھی استعمال بھی کیا گیا ہے ایک دیول کو توڑ کر مسجد کے قالب میں تبدیل کیا گیا ہے اس کے سامنے ایک ستون سنگ سرخ کا ۳۲ فٹ مربع اور ۴۵ فٹ طویل نصب ہے یہ گاؤم مخروطی شکل کا بنا ہوا ہے، اس قدر بڑا درانی عمدہ تراش کا پتھر کسی اور جگہ نظر نہیں آیا اس کی تنصیب میں یہ لطف ہے کہ بیچ میں پوہ کی سلاح دیکر جمادیا ہے اور اطراف کا حصہ کھلا ہے دستی یا رد مال ڈال کر کھینچے تو صاف پتہ چل جاتا ہے لوگ اس کو معلق خیال کرتے ہیں۔ بہر حال یہی ایک چیز قابل دید اور عمدہ ہے

ضلع گلبرگہ میں اور پھوٹے بڑے قصابات ایسے ہیں جن میں چوختی اور پانچویں صدی عیسوی کے منار وغیرہ موجود ہیں مگر وہ قابل ذکر نہیں۔ انشاء اللہ اس طرح ہر ایک ضلع اور صوبہ کی تفصیلی فہرست ترتیب دیکر "دکن کے آثار قدیمہ" ایک جگہ کر دئے جائیں گے۔

ماخذ

واقعات مملکت بیجا پور، جلد سوم - مولفہ مولوی بشیر الدین احمد تعلقہ دار وظیفہ یاب سرکار عالی

تاریخ بیجا نگر..... " " " " " "

ضمیمہ رپورٹ شہر آثار قدیمہ مرتبہ مولوی سید علی صفر بلگرامی،

تاریخ دکن - مولفہ مولوی عبد الجبار خان آصفی ملکا پوری مرحوم،

تاریخ دکن جلد سوم سلسلہ آصفیہ مولفہ مولوی سید علی بلگرامی،

گزیر ضلع گلبرگہ مرتبہ نواب بھادر ادل تعلقہ دار وظیفہ یاب،

آثار سلف، (تفصیل عمارات گلبرگہ) " " " "

نیوا مہریل سینر آف آرکیولا جیکل سروے آف انڈیا، مرتبہ مسٹر مہتری کزنس،

تمکین کاظمی گلبرگہ

لیتھو کا ہر قسم کا کام سادہ اور رنگین اڑیاں اور پابندی وقت کیساتھ ہوتا ہے۔ ذیل کے پتہ سے خط و کتابت کیجئے

مینجر نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

نگار مشین پریس میں

انتقام

(افسانہ)

کینن ڈائل (Conan Doyle) خود اب روحانیت پرست ہو جائے یا تصوف پسند، لیکن دنیا نے اسے جس ذریعہ سے جاننا وہ اس کا وہی فرضی کیرکٹر شرلاک ہومز (Sherlock Holmes) ہے، جس کو عالم سے روشناس کر کے کینن ڈائل نے خود اپنی ہستی کو اس کے اندر گم کر دیا۔ ایک زمانہ تک لوگوں نے یہ بھی نہیں جانا کہ کینن ڈائل کیا بلا ہے اور اس کے افسانے محض شرلاک ہومز سے متعلق ہونے کی وجہ سے عالم میں مشہور ہو گئے۔ اس کو کہتے ہیں سیرت نگاری افسانہ اور یہ ہے وہ کامیابی جسے ہندوستان کا کوئی مصنف یا مولف شاید ابھی ایک صدی تک بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ کوئی انگریزی جاننے والا انسان ایسا نہیں ہے جو شرلاک ہومز اور اس کی وجہ سے کینن ڈائل سے واقف نہ ہو اور اب چونکہ اس کے بعض افسانوں کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ شاید ہندوستان کے بھی بعض افراد اس سے واقف ہو گئے ہوں گے۔ لیکن شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اس کی مقبولیت کا اصل راز کیا ہے۔

ایسے افسانے جس میں کسی کاراز افشا ہو یا کسی نہایت ہی پیچیدہ جرم کا پتہ لگایا جائے یورپ میں کثرت سے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ لیکن کینن ڈائل نے جو شہرت اس باب میں حاصل کی وہ کسی کو میسر نہ آئی اس کے دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اس کا طرز بیاں حد درجہ دلچسپ طور پر سادہ ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کے پلاٹ میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہوتی جو اخیر میں جا کر غایت الوردہ واقعات کے تحت میں نہ آ سکے۔ وہ جب کسی راز کا افشا کرتا ہے تو اس کی بنیاد ایسے واقعات و حالات پر رکھتا ہے جن کا تعلق عام مطالعہ انسانی سے ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعی ان اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو ہر شخص شرلاک ہومز کی طرح بہترین جاسوس بن سکتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ کینن ڈائل کی کتنی کتابوں کا ترجمہ اردو میں ہو چکا ہے۔ لیکن یہ یقین ہے کہ ابھی بڑا حصہ اس کے افسانوں کا ترجمہ نہیں ہوا، اور اگر کوئی شخص استقلال کے ساتھ اس طرٹ

متوجہ ہو جائے تو یقیناً وہ نہ صرف ایک مفید کام کی طرف توجہ کرنے والا سمجھا جائیگا بلکہ مادی نفع بھی کافی حاصل کر سکے گا۔ کیونکہ صرف کینن ڈائل کا نام ہی پہلاک کو اس طرف مائل کرنے کے لئے کافی ہے۔ یورپ کے اکثر جرائد و رسائل کینن ڈائل کے افسانے شائع کرتے رہتے ہیں۔ جو بعد کو کتابی صورت میں آکر لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں کینن ڈائل کے آٹھ تازہ افسانوں کا مجموعہ (The New Stories) کے نام سے شائع ہوا ہے اور یہ افسانے انہیں میں سے ایک کا اقتباس ہے۔ اقتباس اس لئے کہ ترجمہ کی مجھے فرصت نہیں ہے اور نہ اصولاً شاید اس کی ضرورت اگر اصل مصنف کے خیالات و طرز ادا کی خصوصیت محض اخذ مفہوم و اقتباس سے بھی قائم رہ سکے۔

نیاز فحشوی

اگست کی جھلسا دینے والی گرمی شباب پر تھی۔ اور سر جھپپائے ہوئے کمرے کے اندر بیٹھا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا شریلاک ہومز ایک خط کے پڑھنے میں محو تھا جو صبح کی ڈاک سے اُسے ملا تھا، اس لئے میں اخبار کو ایک طرف پھینک ایک خاص خیال میں محو ہو گیا، یہاں تک کہ ہومز کی آواز نے میرے سلسلہ تصور کو اس طرح توڑا:-

”درٹسن، تم صحت پر ہو، یقیناً کسی نزاع کے فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ نہایت نادرست ہے۔ میں یہ سنکر چونک پڑا، اور بولا کہ ہومز تم نے کیسے معلوم کیا کہ میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا، مجھے حیرت ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے کس قدر صحیح اندازہ میری رفتار خیال کا کیا۔ او دہی بات کہی جو اس وقت میرے دل میں تھی“

ہومز:- ”میں نے تمہارے چہرے کی حالت اور خاص کر آنکھوں کے انداز سے تمہارے خیالات معلوم کئے۔ تم کو غالباً یاد نہ ہوگا کہ مجھے تصور کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ لیکن میں بتاتا ہوں۔ اخبار پھینک کر نصف منٹ تک تم بالکل خالی الذہن رہے اس کے بعد تمہاری نگاہ جنرل کارڈن کی اس تصویر پر پڑی جس کا جو کھٹ حال ہی میں لگا ہے۔ اور میں نے تمہارے چہرہ کے تغیر سے معلوم کیا کہ سلسلہ خیالات شروع ہو گیا ہے۔ لیکن یہ سلسلہ دور تک نہ پہنچا تھا، کہ تمہاری نگاہ ہنری اڈ بیچر کی تصویر پر پڑی جو بغیر جو کھٹے کے کتابوں پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد تمہاری نگاہ دیوار پر لگی اور تم نے خیال کیا کہ اگر اس تصویر میں بھی جو کھٹا لگ جاتا تو دیدار کی خالی جگہ پر ہو جاتی۔ اور جنرل گارڈن کی تصویر کے محاذ میں اچھی معلوم ہوتی۔

اس کے بعد پھر تمہارا خیال بیچر کی طرف گیا، اور اس کی تصویر کو تم نے نہایت غور سے دیکھا گویا کہ تم اس کے خط و خال سے اس کی

سیرت کا اندازہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد تمھاری آنکھ کا متجسسانہ انداز اور ہوا اور تمھارے چہرے سے غور و خاص ٹپکنے لگا، جس سے معلوم ہوا کہ تم نیچر کے کارناموں پر غور کر رہے تھے۔ اور چونکہ ایک مرتبہ تم میرے سامنے یہ اظہار خیال کر چکے تھے کہ سول دار بعد منہم کے زمانہ میں فساد پسند لوگوں نے اس کے ساتھ کیسا بڑا سلوک کیا تھا۔ اس لئے میں سمجھ گیا کہ بیچر کے کارناموں کے سلسلے میں تمھارے خیال کا سول دار کی طرف منتقل ہونا ضروری ہے، اس لئے میں سمجھا کہ تم اس شجاعت کا خیال کر رہے ہو جو دونوں فریق کی طرف سے اس وقت ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے بعد تمھارے چہرے پر انحلال طاری ہوا اور گردن میں خفیف سی جنبش پیدا ہوئی کیونکہ تم اس وقت ہیکار جانوں کے ضائع ہونے پر متاسف تھے، اس کے بعد تمھارا ہات اس جگہ پہنچا جہاں تمھارے زخم لگا تھا، اور تمھارے لبوں پر تبسم پیدا ہوا، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت تم یہ سوچ رہے ہو کہ بین الاقوامی نزاع میں فیصلہ کا یہ طریقہ بھی کس قدر نادرست ہو اور یہ سمجھ کر میں نے تم پر ظاہر بھی کر دیا اور تم چونک پڑے۔

میں نے یہ سن کر کہا کہ ”جو کچھ تم نے بیان کیا حرف بہ حرف صحیح ہے اور باوجود اس کے کہ تم نے اپنے قیاس کے دلائل کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے لیکن میری حیرت بدستور قائم ہے۔“

ہومز۔ ”خیر یہ تو نہایت معمولی بات تھی۔ لیکن اس وقت میں جس مسئلہ پر غور کر رہا تھا وہ نہایت عجیب و غریب ہے اور اس کا حل کرنا کسی کے خیالات معلوم کر لینے سے زیادہ دشوار ہے تم نے اخبار میں یہ خبر نہیں پڑھی کہ قصبہ کراڈن کی ایک خاتون جس کا نام مس کشنگ ہے ایک عجیب و غریب پارسل ملا ہے۔“

”نہیں میں نے تو یہ خبر نہیں پڑھی“

ہومز نے اخبار کے میری طرف پھینکا اور کہا کہ مالیات کے کالم کے نیچے وہ خبر درج ہے، زدو سے پڑھئے، میں پھر ایک بار اُسے سننا چاہتا ہوں۔

میں نے اخبار کے کمر پڑھنا شروع کیا :-

”قصبہ کراڈن کی ایک خاتون مس کشنگ کو کل سہ پہر کے وقت ایک پارسل ملا۔ جو زر دکان غنہ میں لپٹا ہوا تھا۔ یہ پارسل کاغذ کے ایک بکس کا تھا، جس وقت بکس کھولا تو اس میں نمک بھرا ہوا نظر آیا جس کے اندر دوکان کسی انسان کے تھے جو تازہ کٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے، یہ پارسل مقام بلفاسٹ سے پرسوں صبح کو روانہ کیا گیا تھا، اور بھیجنے والے کا نام اس پر درج نہ تھا، مس کشنگ پچاس سال عمر کی خاتون ہے اور نہایت خلوت کی زندگی بسر کر رہی ہے، نہ کسی سے اس سے خط و کتابت ہے اور نہ کسی سے ایسی ملاقات جو اُس کے پاس کبھی کوئی چیز روانہ کرے۔ چند سال ہوئے کہ وہ مقام بنگ میں رہتی تھی اور اپنے مکان کے چند کمرے ڈاکٹری کے تین طالب علموں کو اُس نے کرایہ پر دئے تھے، لیکن چونکہ یہ طالب علم اچھے اطوار کے نہ تھے اس لئے مس کشنگ نے انھیں علیحدہ کر دیا۔ غالباً یہ کارروائی

انہیں کی ہے، اور مس کشنگ کو پریشان کرنے کے لئے انہوں نے یہ مذاق کیا ہے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ انڈیز سے ایک طالب علم بلفاسٹ کا رہنے والا تھا۔

”اس معاملہ کی تفتیش مسٹر سٹریڈ کر رہے ہیں جو خفیہ پولیس کے نہایت ہی ہوشیار و کامیاب افسر ہیں۔“
ہومز:- یہ تو بیاں ہوا، ڈیلی کرائکل (اخبار) کا، لیکن اب وہ بھی سن لو جو مسٹر سٹریڈ نے مجھے لکھا ہے، آج صبح میرے پاس انکا خط آیا مجھ سے مخاطب ہو کر لکھا ہے کہ ”یہ معاملہ زیادہ تر آپ ہی کے سلجھانے کا ہے۔ یوں تو ہمیں اُمید ہے کہ ہماری کوشش سے معاملہ واضح ہو جائے گا لیکن فی الحال سراغ میں دشواریاں ضرور ہیں، بلفاسٹ کے ڈاک خانہ کو تار دیا گیا تھا لیکن وہاں سے کچھ پتہ نہیں چلا کہ پھینچے والا کون تھا، کس نصف پونڈ کا ہے، جس میں ڈیو تار کو آتی ہے۔ میرا بھی خیال ہے کہ یہ حرکت غالباً طالب علموں کی ہے، لیکن اگر آپ کو فرصت ہو تو مجھ سے ضرور مل لیجئے۔ میں یا تو گھر میں ملونگا یا تھانہ میں۔“

اب بتاؤ دائس کیا کہتے ہو، اگر گرمی زیادہ نہ ستائے تو آؤ تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ کراڈن چلے چلو۔
چونکہ میں بالکل بیکار تھا، اس لئے تیار ہو گیا، اور جس وقت ہم لوگ کراڈن اسٹیشن پر پہنچے تو وہیں مسٹر سٹریڈ بھی موجود تھے جنہیں ہومز نے تار کے ذریعہ سے وہاں جانے کی اطلاع دی تھی پانچ منٹ میں ہم لوگ کراڈن اسٹریٹ میں پہنچ گئے۔ جہاں مس کشنگ کا مکان تھا۔

دروازہ پردستک دی تو ایک خادمہ باہر آئی اور ہم لوگوں کو اندر لے گئی۔

مس کشنگ سامنے برآمدے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے سٹریڈ کو دیکھتے ہی جھنجھلا کر کہا کہ وہ پارسل باہر کی کوٹھری میں رکھا ہے آپ تو خدا کے لئے اُسے یہاں سے لیجائیے۔

سٹریڈ:- میں اُسے لیجاؤں گا، لیکن چونکہ میں چاہتا تھا کہ میرے عزیز دوست مسٹر ہومز بھی آپ کے سامنے اس مکیں کو دیکھیں اس لئے ابھی تک نہیں لے گیا تھا۔

”میرے سامنے کیوں؟“

”اس لئے کہ شاید انہیں آپ سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت ہو۔“

ہومز نے نہایت نرم لہجہ میں کہا کہ ”اے محترم خاتون، یہ بالکل صحیح ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس تکلیف دہ معاملہ کی وجہ سے آپ کو بہت تکلیف اٹھانا پڑ رہی ہے،

”یقیناً مسٹر ہومز میں خلوت پسند عورت ہوں، اور یہ میرے لئے بالکل نئی بات ہے کہ میرا نام اخباروں میں آئے اور پولیس میرے گھر میں۔ میں تو پارسل کو گھر میں نہ آنے دوں گی اگر آپ کو دیکھنا ہے تو وہیں باہر کی کوٹھری میں تشریف لے جائیے۔“

گھر کے پیچھے مختصر سے پائیں باغ میں ایک کوٹھری بنی ہوئی تھی۔ سسٹریڈ دہان گیا اور ایک زرد رنگ کا بکس کاغذ کا لایا جو زرد کاغذ میں ملفوف تھا، اور اس پر ڈر اپٹا ہوا تھا، یہیں ایک بیج پر بیٹھ کر ہومز نے اس بکس کو دیکھنا شروع کیا، ہومز نے کچھ دیر تک دیکھنے اور سوچنے کے بعد کہا کہ ”ڈورا بہت عجیب ہے، سسٹریڈ آپ کا کیا خیال ہے؟“

————— ”تار کول سے رنگا ہوا ہے“

”بالکل ٹھیک، تم نے اس پر بھی غور کیا ہوگا کہ مس کشنگ نے اسے قینچی سے کاٹا ہے، کیونکہ جہاں یہ کاٹا گیا ہے، وہاں دونوں طرف پچھڑے نکلے ہوئے ہیں، یہ بھی قابل غور امر ہے“

————— ”اس میں تو شاید کوئی اہمیت نہیں ہے“

————— ”اس میں اہمیت اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ ڈورہ کی گرہ اپنے حال پر باقی ہے، جو خاص انداز کی ہے۔“

————— ”بیشک گرہ بہت صفائی سے لگائی گئی ہے، میں اس پر غور کر چکا ہوں۔“

ہومز نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ”ڈورے کے متعلق تو تحقیق ہو چکی۔ اب کاغذ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے قہوہ کی بو آرہی ہے۔ اس پر پتہ اس طرح لکھا ہے:- ”مس کشنگ، کراس سٹریٹ کراؤن“ یہ غالباً موٹے نب جے (J) نب سے لکھا گیا ہے اور روشنائی بہت ادنیٰ قسم کی ہے، لفظ کہ اڈان کا اگلا بھی غلط لکھ کر صحیح کیا گیا ہے، اور سوا دخط سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مرد کے بات کا لکھا ہوا ہے۔ جس کی تعلیم معمولی ہے اور جو قصبہ کراؤن سے نادان ہے، بکس زرد ہے اور مٹی ڈیوٹا کو کا ہے۔ اس میں سوا اس کے اور کوئی خاص بات نہیں کہ دندان انگلیوں نے بائیں طرف کے کونہ میں نیچے موجود ہیں۔ اس میں معمولی نمک بھرا ہوا ہے جو چمڑے وغیرہ بنانے کے کام میں آتا ہے اور نمک کے اندر یہ دوکان ہیں“

ہومز نے یہ کہتے ہوئے دونوں کان نکال لئے۔ اور اپنے گھٹنے پر ایک تختے کے اوپر انھیں رکھ لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے یہ دونوں کان پھر بکس میں رکھ دئے اور نہایت گہرے انماک خیال میں مصروف ہو گیا۔ جب وہ غور کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ گیا تو اس نے سسٹریڈ سے کہا کہ ”تم نے غالباً یہ معلوم کر لیا ہوگا کہ یہ دونوں کان ایک آدمی کے نہیں ہیں“

————— ”دہان میں اس امر پر غور کر چکا ہوں۔ لیکن اگر واقعی یہ انہیں طالب علموں کا مذاق ہے تو ان کے لئے دشوار نہ تھا کہ وہ لاشین مطالعہ کر کے کمرے سے دو مختلف آدمیوں کے ایک ایک کان کاٹ کر بھیج دیتے“

ہومز ”یہ صحیح ہے لیکن میرے نزدیک یہ طالب علموں کا مذاق نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرے حالات سے اس کی تصدیق نہیں ہے لاش جبوقت مطالعہ کے کمرے میں آتی ہے تو پہلے اس میں پچکاری کے ذریعہ سے ایک خاص سیال شے پہنچائی جاتی ہے تاکہ جسم سڑنے سے محفوظ رہے اور ان دونوں کانوں میں اس چیز کا پتہ نہیں ہے علاوہ اس کے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہ دونوں کان بالکل

تازہ کٹے ہوئے ہیں، اور کسی کند آله سے کاٹے گئے ہیں، اگر ڈاکٹری کا کوئی طالب علم کاٹتا تو وہ یقیناً تیز چھری استعمال کرتا۔ اور کار ہلک یا اسپرٹ میں محفوظ کر کے بھیجتا نہ کہ معمولی نمک میں۔ اس لئے میری رائے تو صاف صاف یہی ہے کہ یہ معاملہ مذاق کا نہیں ہے بلکہ اس سے کوئی نہایت ہی سنگین جرم متعلق ہے۔“

اس وقت ہومز کے چہرہ سے حد درجہ سنجیدگی اور غور و تامل کی کیفیت پیدا ہوتی اور میں بھی سوچ رہا تھا کہ اگر اس سے واقعی جرم وابستہ ہے تو حد درجہ برہمی ظاہر کرنے والا ہے،

سٹرپٹ نے ہومز کی یہ رائے سن کر اس طرح جنبش دی گویا اسے پورا یقین نہیں ہے اور بولا۔ ”اس میں شک نہیں کہ اس کو مذاق سمجھنے کے خلاف کچھ دلائل موجود ہیں، لیکن اس کو جرم قرار دینے کے خلاف اور زیادہ قوی دلائل ہیں، یہ عورت پنگت میں تھی اور یہاں بیس سال سے نہایت گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی ہے اور اس دوران میں وہ ایک دن کے لئے بھی کہیں باہر نہیں گئی اس لئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ایک مجرم کیون اپنے ثبوت جرم کو اس کے پاس روانہ کرتا۔“

”ہومز نے جواب دیا کہ، ”ہاں یہی وہ معمہ ہے جس کا حل ہونا ضروری ہے۔ بہر حال میں تو اس معاملہ کی تحقیق یہی سمجھ کر رہا ہوں گا کہ یہ کوئی سنگین جرم ہے، جس میں دو آدمیوں کو قتل کیا گیا ہے، کیونکہ ان میں سے ایک کان عورت کا ہے جو چھوٹا ہے، نازک ہے، اور آویزے کے لئے اس کی کوچھدی ہوئی ہے، دوسرا کان مرد کا ہے جو موٹا بھدا اور بد رنگ ہے۔ اور وہ بھی چھدا ہوا ہے۔ یہ دونوں آدمی سو وقت تک مر چکے ہیں۔ آج جمعہ ہے۔ جمعرات کی صبح کو پارسل روانہ کیا گیا، اس لئے جرم منگل یا بدھ کو وقوع میں آیا ہوگا۔ اچھا اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر یہ واقعہ قتل کا ہے تو کان کا بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ سوائے قاتل کے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کشنگ کے پاس بھیجنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ اگر اس سے مراد اس کو اس امر کی اطلاع دینا تھی کہ قتل کی کارروائی ہوگی یا صرف اسکو تکلیف پہنچانا مقصود تھا تو مس کشنگ کو اس شخص کا علم ہونا چاہئے۔ لیکن غالباً اس کو علم نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ پولیس کو کیوں اطلاع دیتی۔ انہیں دفن کر کے خاموش ہو جاتی۔ اور اگر وہ کوئی دشمن ہوتا تو اس کا نام بتاتی۔ بہر حال گنتی اس جگہ آکر پڑتی ہے جسے سلجھانے کے لئے مجھے مس کشنگ سے گفتگو کرنا ضروری ہے۔“

سٹرپٹ نے یہ سن کر کہا کہ ”میں تو جانتا ہوں کیونکہ اور ضروری کام ہیں آپ یہاں رہ کر دریافت کیجئے اگر میری ضرورت ہو تو میں بخانہ میں ملوں گا۔“

ہم لوگ جب اندر پہنچے تو مس کشنگ نے کہا کہ ”مجھے یقین ہے کہ یہ پارسل غلطی سے میرے نام آیا کیونکہ دنیا میں کوئی شخص میرا دشمن نہیں ہے۔ جو میرے ساتھ یہ سلوک کرے۔“

ہومز جو اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا بولا ”میرا بھی یہی خیال ہے اور غالباً.....“

وہ اتنا لکڑکڑ گیا اور میں یہ معلوم کر کے بہت متعجب ہوا کہ وہ اس عورت کے ناک نقشہ کی طرف نہایت غور سے دیکھ رہا تھا جب اس عورت نے اس کے دفعۂ خاموش ہو جانے کی وجہ سے اس کو دیکھا تو اس نے فوراً ہی اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔ اور بولا "میں دو چار سوالات دریافت کرنا چاہتا ہوں"

"میں تو سوالات سے گھبرائی ہوں۔ لیکن پوچھئے آپ جو کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔"

ہو مز "آپ کے دو بہنیں اور بھی ہیں۔ یا نہیں؟"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ تو میں نے پہلے ہی مرتبہ گھر میں داخل ہوتے ہی جان لیا تھا، کیونکہ وہاں جو تصویر آویزاں ہے اس میں تین خاتونیں نظر آتی ہیں جن میں سے ایک آپ ہیں اور ایک دو کا بھی نقشہ آپ سے بہت مشابہ ہے اس لئے میں نے خیال کیا کہ وہ دونوں آپ کی بہنیں ہوں گی۔"

"بیشک صحیح ہے، وہ دونوں میری بہنوں کی تصویریں ہیں۔ ایک کا نام سارہ ہے اور دوسری کا میری ہے۔"

اور یہ مجھ سے قریب ہی ایک اور تصویر آپ کی چھوٹی بہن کی ہے، جو لورپول میں کھنچوائی گئی ہے اور جو آدمی اس کے ساتھ ہے وہ غالباً بحری ملازم ہے کیونکہ اس کے لباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت تک آپ کی اس بہن کی شاید شادی نہ ہوئی تھی۔"

"آپ نہایت ذہین قیاس کے آدمی ہیں، بیشک آپ کا یہ خیال صحیح ہے لیکن جب یہ تصویر لی گئی تھی اس کے چند دنوں بعد ہی اس کی شادی اس شخص سے ہو گئی جس کا نام مسٹر برڈنر ہے۔ وہ اس وقت جنوبی امریکہ کے جہاز ران کمپنی میں ملازم تھا، لیکن چونکہ وہ اپنی بیوی سے اس درجہ مایوس تھا کہ اسے چھوڑ نہ سکتا تھا اس لئے اس نے لندن اور لورپول کے درمیان جہاز لیجانے والا کمپنی کی ملازمت کر لی۔ کیا جس جہاز میں وہ ملازم تھا اس کا نام کانکر تھا؟"

نہیں آخری اطلاع یہ ہے کہ مے ڈے میں ملازم تھا، وہ میرے پاس صرف ایک مرتبہ آیا تھا، وہ شراب کا سخت عادی ہے۔ اور نقشہ میں آکر بہت لڑتا جھگڑتا ہے، اب کچھ عرصے سے میری بہن میری نے جو اس کی بیوی ہے کوئی خط نہیں لکھا، اس لئے پتہ نہیں کہ کیا حال ہے۔"

اسی سلسلہ میں میں کشنگ نے اپنے بہنوئی کے بہت سے حالات بیان کئے۔ اور ان طالب علموں کا بھی ذکر کیا جو اس کے پاس آکر ٹہرے تھے۔

ہو مز نے اس کی گفتگو ختم ہونے کے بعد دریافت کیا "مجھے تعجب ہے کہ جب آپ کی دوسری بہن سارہ کے بھی شادی نہیں ہوئی تو وہ آپ کے پاس کیوں نہیں رہتی؟"

آپ کو سارہ کی مزاجی حالت معلوم نہیں ہے میں جب کراڈن آئی تو میں نے اسے بلا کر رکھا لیکن دو مہینہ سے زیادہ نباہ نہ ہو سکا۔

ہومز نے ایک کاغذ پر اس کا نام لکھ کر سٹرڈ کو دیدیا اور بولا کہ ”یہ اس کا نام ہے لیکن تم کل رات سے پہلے اس کی گرفتاری نہ کر سکو گے چونکہ میں یہ کہیں چاہتا کہ میرا نام اس سلسلہ میں لیا جائے اس لئے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ میں نے پتہ چلا یا ہے“

اسی رات کو جب ہم مکان واپس پہنچے تو ہومز نے کہا کہ ”میں نے سٹرڈ سے سارا حال کہہ کے بیچ کی کچھ کڑیاں دریافت کرنے کی ہدایت کر دی ہے“ میں نے یہ سن کے کہا کہ ”کیا ابھی معاملہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔“

”نہیں مکمل تو ہو گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجرم کون ہے لیکن ایک شخص ابھی بھاگا ہوا ہے اور اس کا پتہ چلانا ناہگیا ہے اچھا یہ بتاؤ کہ مختار سے نزدیک مجرم کون ہو سکتا ہے“

میں نے کہا ”غالباً تم نے بردنر پر شبہ کیا ہوگا“

ہومز۔ ”شبہ کیا یقین۔ اچھا اب شروع سے تمام واقعات پر سلسلہ وار غور کرو جس وقت ہم نے اس معاملہ کو بات میں لیا ہم بالکل خالی الذہن تھے، اور ہم نے کوئی قیاس قائم نہ کیا تھا۔ ہمیں جو کچھ سمجھنا تھا موقع پر جا کر سمجھنا تھا سب سے پہلے ہم نے وہاں جا کر ایک شریف خاتون کو دیکھا۔ جو اس راز سے بالکل بے خبر معلوم ہوتی تھی۔ اور وہیں ایک تصویر آویزاں دیکھی جس سے اس کی دو اور بہنوں کا ہونا پایا گیا اسلئے اس وقت یہ بات میرے ذہن میں گزری کہ ممکن ہے یہ بکس ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھیجا گیا ہو، اس کے بعد ہم نے باغ میں جا کر پارسل دیکھا۔ اس کا ڈورا اس قسم کا تھا۔ جسے ملاح یا جہاز پر کام کرنے والے استعمال کرتے ہیں اور اس کی گرہ بھی ویسی ہی تھی جیسی ملاح لگاتے ہیں پارسل ایک بندرگاہ سے روانہ کیا گیا تھا۔ اور بکس کے اندر مرد کا جو کان نکلا تھا وہ بھی چھدا ہوا تھا۔ جو عموماً ملاحوں کے ہاں رائج ہے۔ الغرض ان تمام باتوں سے مجھے یقین ہو گیا کہ اس ٹریجڈی کے تمام اکیڑ جہاز کی ملازمت سے وابستہ ہیں۔ یا سمندر سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتے ہیں پارسل کے پتہ پر ”مس۔ ایس کشنگ“ (Mrs. S. K. Keshing) تحریر تھا۔ اور ہر چند بڑی بہن کا نام مس کشنگ ہونا چاہیے لیکن میں نے خیال کیا کہ یہ ممکن ہے صرف اس (S) کسی دوسری بہن کے نام کا حرف ہو۔ اس لئے میں گھر میں داخل ہوا۔ اس خیال سے اس مسئلہ کو صاف کرنا چاہیے۔ تم کو یاد ہو گا کہ میں مس کشنگ سے یہ کہتے ہوئے کہ ”پارسل بیشک غلطی سے آپ کے نام آیا ہوگا“ میں دفعۃً خاموش ہو گیا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ مجھے اس وقت وہاں ایک ایسی چیز نظر آئی جس نے مجھے متعجب بنا دیا۔ اور ہماری جستجو کے حدود کو بھی محدود کر دیا۔ ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے دائیں تم اس حقیقت سے ضرور واقف ہو گے کہ جسم انسانی کا کوئی حصہ اس قدر مختلف نہیں ہوتا جتنا کان۔ ہر شخص کا کان مخصوص وضع و ساخت کا ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کے کان سے نہیں ملتا۔ اس لئے تم خیال کر سکتے ہو کہ میں کس قدر متعجب ہوا ہوں گا، یہ دیکھ کر کہ مس کشنگ کا کان بہت کچھ اس کان سے ملتا جلتا ہوا ہے، جسے بکس میں دیکھ کر ہم نے حکم لگایا تھا کہ یہ عورت کا کان ہے۔ فوراً میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ جس عورت کا کان کاٹا گیا ہے وہ یقیناً مس کشنگ کی عزیز بہن ہے اور اسی لئے میں نے اس کے خاندانی حالات کی جستجو شروع کی۔ اس گفتگو کا جو نتیجہ ہوا تمہیں معلوم ہے۔ اچھا اب غور کرو کہ اس کی ایک

ہن کا نام سارہ ہے جو حال ہی میں مس کشنگ (اپنی بہن) کے مکان سے اٹھ کر گئی ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اگر پارسل اس کے لئے آیا ہوگا تو اس پتہ سے آیا ہوگا۔ کیونکہ بھیجنے والے کو (جو بردنر تھا) سارہ کے مکان چھوڑ دینے کا حال معلوم نہ تھا۔ اور باہم کشیدگی کی وجہ سے خط و کتابت مسدود تھی۔ اس گفتگو کے دوران میں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ایک بحری ملازم بردنر سے اس کی چھوٹی بہن میری کی شادی ہو گئی تھی جو اپنے عادات و خصائل کے لحاظ سے بہت غصہ ناک اور سخت مزاج ہے اس لئے میں نے فوراً یہ خیال کیا کہ ممکن ہے کہ اس کی بیوی اور آدمی کی طرف ملتفت ہو گئی ہو۔ اور اس نے حسد کے جذبہ سے متاثر ہو کر نہ صرف اپنی بیوی بلکہ اس کے دوست کو بھی مار ڈالا ہو اور ان کے دونوں کان کاٹ کر سارہ کے پاس بھیج دئے ہوں۔ جو اس کے علم میں اپنی بڑی بہن کے پاس نہ تھی اب رہا یہ سوال کہ سارہ کے پاس کیوں پارسل بھیجا۔ سو اس کا سبب بھی ظاہر تھا۔ کہ غالباً اس کی دسالت و شرارت سے میری کا تعلق کسی اور سے ہوا ہوگا۔ اور اسی بنا پر بردنر نے اُسے نکالا ہوگا جب وہ اس کے پاس رہتی ہوگی۔ پارسل کا اس کے پاس بھیجنا گویا ظاہر کرنا تھا کہ جو بیچ فساد کا تم نے بویا تھا اس کا نتیجہ بھی دیکھ لو۔ جس کمپنی میں بردنر ملازم ہے اس کے جہاز بلفاسٹ، ڈبلن اور ڈالڈ فورڈ جاتے ہیں۔ اسلئے اگر بردنر نے یہ جرم کیا ہوگا اور اس کے بعد ہی جہاز پر چلا گیا ہوگا تو سب سے پہلے اُسے بلفاسٹ ہی ایسا مقام ملا ہوگا جہاں سے وہ پارسل روانہ کر سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ ممکن ہے میری کے نام عاشق نے میری اور اس کے شوہر کو مار ڈالا ہو اور مرد و والا کان بردنر کا ہو اس لئے میں نے پور پول تار بھیج کر دریافت کیا کہ سٹر بردنر گھر پر ہے یا نہیں۔ اور سٹر بردنر نے ڈے جہاز پر روانہ ہو گیا یا نہیں۔ اس تار کے بھیجنے کے بعد ہم مس سارہ کے مکان گئے۔ میں مس سارہ کو اس لئے دیکھنا چاہتا تھا کہ دیکھوں اس کے کان کس قسم کے ہیں۔ اور کچھ حالات بھی اس سے دریافت کرتا۔ وہاں پہنچ کر اس کی بیماری کا حال معلوم ہوا جس سے مجھے اور زیادہ اپنے خیال کی تصدیق ہوئی۔ کیونکہ اس پارسل کے آنے کا حال اسے ضرور شام تک معلوم ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ ساری قصبہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی تھی اور وہ سمجھ گئی ہوگی کہ یہ پارسل حقیقتاً اسی کے پاس بھیجا گیا تھا اور نیز یہ کہ وہ کان کس کس کے ہو سکتے تھے اس کے بعد تھا کہ پہنچ کر مجھے تار کا جواب ملا کہ سٹر بردنر تین دن سے غائب ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عزیزوں سے ملنے کہیں گئی ہے، اور سٹر بردنر نے ڈے جہاز پر روانہ ہو گیا ہے۔ یہ جہاز کل رات کو ٹیمس میں پہنچ گیا اور وہیں اس کے سٹرڈ اسے گرفتار کر لیا گیا اس کے دو دن بعد سٹرڈ کا خط آیا جس کا مضمون یہ تھا:-

میرے عزیز دوست سٹر ہومز،

آپ کی ہدایت کے مطابق کل شام کو ۶ بجے بندرگاہ پہنچ کر ڈے جہاز پر گیا، اور دریافت سے معلوم ہوا کہ بردنر نامی ایک شخص بے شک جہاز پر کام کرتا ہے، لیکن راستہ میں اس نے ایسی بدحواسیاں کہیں۔ جسے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا،

اُس لئے کپتیاں نے اسے معذول کر دیا ہے۔ میں جب برد نر کے کمرے میں پہنچا تو وہ پاگلوں کی طرح زانو پر سر رکھے مضطرب نظر آ رہا تھا میں نے اسے گرفتاری کی اطلاع دی جس پر وہ پہلے تو بہت چراغ پا ہوا۔ لیکن پولیس کی اور امداد آگئی تو خاموشی کے ساتھ اس نے آپ کو سپرد کر دیا بعد کو جو بیان اُس نے دیا ہے اُس کی نقل روانہ کرتا ہوں:-

نقل بیان مسٹر برادر

تین بہنیں تھیں جن میں سے بڑی بہت شریف ہے، دوسری جس کا نام سارہ ہے پوری شیطان ہے، اور تیسری میری بیوی جس کا نام میری تھا بالکل فرشتہ خصلت تھی۔ سارا کی عمر ۳۳ سال کی تھی اور میری کی ۲۹ سال کی جب میں نے شادی کی۔ ہماری زندگی نہایت لطف و مسرت کے ساتھ بسر ہو رہی تھی کہ شامت اعمال سارا کو ایک ہفتہ کے لئے اپنے پاس بلایا۔ لیکن بعد کو وہ مستقلاً ہمارے ساتھ رہنے لگی میں ہر ہفتہ کے آخر میں ضرور گھر آ جاتا تھا۔ اور اگر کبھی مال کے لادے جانے میں دیر ہو جاتی تھی تو مسلسل ہفتہ ہفتہ بھر گھر رہتا تھا۔ چند دنوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ سارہ اپنا زیادہ وقت میرے پاس بسر کرنا چاہتی ہے اور تنہا میرے ساتھ ٹھلنے کے لئے باہر جانے پر زیادہ زور دیتی ہے، لیکن اس کا سبب مجھے معلوم نہ تھا، ایک شام جب میں جہاں سے آیا تو میری بیوی گھر میں تھی میں نے سارہ سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ”وہ کسی دوکاندار کا حساب صاف کرنے گئی ہے“ میں مضطرب تھا اور بتا بانہ ٹھل رہا تھا کہ سارہ نے کہا ”کیا تم بغیر میری کے میرے ساتھ ۵ منٹ بھی اچھی طرح بسر نہیں کر سکتے؟“ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے جو نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں سرخ ہیں میں اس کے جذبہ کو سمجھ گیا اور فوراً اپنا ہاتھ کھینچ کر علیحدہ ہو گیا وہ بھی خفیف ہو کر چلی گئی۔ لیکن اس دن سے وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی میں نے میری سے اس کا ذکر نہیں کیا، اور پھر زندگی بدستور ہونے لگی،

اس کے چند دن بعد میں نے محسوس کیا کہ میری مجھ سے کچھ کھینچی ہوئی رہتی ہے اور سارہ سے بہت میل بڑھ گیا ہے، اس میں شک نہیں کہ شادی سے قبل میں سخت شراب کا عادی تھا، لیکن شادی کے بعد میں تو بہت کم چکا تھا۔ اب میری کی یہ حالت دیکھ کر اپنی تکلیف

دور کرنے کے لئے پھر شراب پیئے لگا۔

اس کے چند دن بعد ایک شخص فیبرن سارہ سے ملنے کے لئے آنے لگا۔ یہ نہایت حسین طرز اور دلچسپ انسان تھا، اس کی آمد درنت بڑھتی رہی اور میری بیوی بھی اس کی منیت مسرور۔ نظر آنے لگی، ایک دن میں دفعۃً تو میں نے محسوس کیا کہ پہلے وہ تو نہایت شوق سے بڑھی تھی لیکن میری صورت دیکھ کر پھر مضمحل ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ قدموں کی آواز پر اس نے فیبرن کی آمد کا خیال قائم کیا تھا، جس کا یہ انتظار کر رہی تھی لیکن جب بجائے اس کے میں نظر آیا تو منہ پھلایا۔ اب غصہ کا ضبط کرنا میرے امکان سے باہر تھا، میں فوراً سارہ کے پاس گیا اور کہا کہ آئندہ سے فیبرن میرے مکان میں نہ آئے۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا اس نے کہا کہ اگر میرے احباب اس مکان میں نہیں آسکتے تو میں بھی یہاں نہیں رہ سکتی۔ میں نے کہا اس کا تم کو اختیار ہے، لیکن اب اگر یہ شخص کبھی میرے مکان میں آیا تو اس کا کان کاٹ کر تحفہ تیار پاس بھیج دوں گا۔ اس واقعہ کے بعد سارہ میرے مکان سے اٹھ کر ایک اور مکان میں چلی گئی۔

جہاں میری بیوی بھی چار پینے کے لئے جایا کرتی تھی، ایک دن میں نے اس کا تعاقب کیا اور چوہنی میں اندر داخل ہوا وہ دیوار کو دکر بھاگ گیا میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم کبھی اس سوسلیں تو میں تمہیں مار ڈالوں گا، اور یہ کہ میں اپنی بیوی کو گھسیٹ کر گھر لے آیا یہ حقیقت ہے کہ اب یہ بھی مجھ سے نفرت کرتی تھی اور محبت کی کوئی کیفیت باقی نہ تھی۔ اس کے بعد سارہ اپنی بہن کے پاس کراڈن چلی گئی۔

گزشتہ ہفتہ کا واقعہ ہے کہ میں مے ڈے جہاز پر سات دن کے لئے روانہ ہوا، لیکن کوہر کی شدت سے جہاز پھر ساحل کی طرف واپس کیا گیا، اور میں گھر کی طرف چلا۔ لیکن جوں ہی سڑک کی موڑ پر پہنچا میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی میں فیبرن کے ساتھ میری ہنستی بولتی چلی جا رہی ہے، یہ دیکھ کر میری جو حالت ہوئی اس کا اندازہ مشکل ہے، میں اس وقت بالکل دیوانہ تھا۔ میں اس گاڑی کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے میں بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا، لیکن ان کی نگاہوں سے بچ کر چل رہا تھا، انہوں نے براؤن کاٹکٹ لیا، میں نے بھی وہیں کاٹکٹ لیا، اور اس ریل میں سوار ہو گیا، براؤن پہنچ کر وہ بریڈ

کی طرف چلے، اور میں بھی ساتھ ساتھ رہا۔ یہاں پہنچکر انھوں نے ایک کشتی لی۔ اور اس میں بیٹھکر روانہ ہو گئے۔ میں نے بھی ایک کشتی لی، اور اُن کے پیچھے چلا، چونکہ کوہر زیادہ تھا اسلئے وہ مجھے نہ دیکھ سکتے تھے۔ میں نے جلدی جلدی کوشش کر کے فاصلہ کو کم کیا اور آخر کار اپنے آپ کو ان کی کشتی کے پاس پہنچا دیا۔

جبوقت انھوں نے مجھے اپنے قریب دیکھا تو حیرت سے اُن پر سکتہ طاری ہو گیا، اور میں اس وقت اس زور سے فیہروں کے سر پر لکڑی ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا میں یقیناً میری کو ہلاک نہ کرتا اگر وہ فیہروں سے لپٹ کر اس کا ماتم نہ شروع کر دیتی، میں نے اسے بھی اسی جگہ ٹھنڈا کیا اور پھر ان دونوں کے کان کاٹ لئے کہ تحفۂ سارا کے پاس بھیجوں گا، تاکہ وہ اپنے پیدا کئے ہوئے فساد کے نتیجے سے آگاہ ہو جائے۔

اس کے بعد میں ان کی کشتی کو توڑ کر ایک تختہ سے دونوں لاشیں باندھ دیں اور سمندر میں ڈبو دیا۔ میں نے لوٹ کر جہاز میں دونوں کاں ایک پارسل میں بند کئے اور بلغاسٹ سے وہ پارسل سارا کشنگ کے نام کراڈن کے پتے سے روانہ کر دیا۔

یہ ہے میرا سارا قصہ، اب لکھیں اختیار ہے، مجھے بھانسی پر چڑھا دو یا جو چاہو کرو۔
(منقول از مرقع لکھنؤ)

بھاگلپوری ٹسری ریشمی صافے

ٹسری اور ریشمی صافے یا بھٹاں برائے کوٹ، قمیص، شیزوانی اعلیٰ درجے

کے درکار ہیں تو ہمارے یہاں سے منگا کر استعمال میں لائیے
المشتہ

مولوی کبیر احمد خاں برادر بھاگلپوری

کلام مومن پر ایک نظر

مومن تجھے تو ذہب ہے مومن ہی وہ نہیں

جو معتقد نہیں تیری طبع سلیم کا

میرے تعجب اور حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ جب دیکھتا ہوں، کہ ہمارے سخن فہوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ تو نہ کیا۔ اور جو نہ کرنا تھا کر بیٹھے۔ ذوق کی خوش ذوقی اور آتش کی آتش بیانی کے ثبوت میں ایسی ایسی زبردست تقریریں اور ایسے ایسے پر جوش مظاہرے ہوئے کہ اگر خود اس وقت آتش اور ذوق موجود ہوتے تو ان نادان دوستوں سے یقیناً برآت و بیزاری کا اعلان کر دیتے۔ مرحوم مرزا نوشہ کے حق میں ان مدعیان سخن فہمی نے جس سُر مہری اور ناقدر شناسی کا ثبوت دیا۔ وہ کچھ کم نہ تھا۔ مگر کچھ منہ کو آتا ہے جب ہم ذرا آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری بد مذاقی اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ کئی ایک استادان فن کے شاہکار ہمارے ہاں موجود ہیں مگر کوئی ایسا نہیں جو انسان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے اور پھر ان لوگوں سے روشناس کرائے۔ جو فطرتاً دوسروں کے زلہ ربا واقع ہوئے ہیں۔ انھیں قابل فخر ہستیوں میں سے مومن مرحوم بھی ہیں۔ جن کے کمالات اور خوبیوں پر آج ہم ایک سرسری نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

مومن کی کلیات طبع ہو چکی ہیں۔ جو غنویات، رباعیات، قطعات، قصائد، غزلیات، اور نہ معلوم کن کن اصناف سخن پر مشتمل ہیں۔ مگر سر دست ہمیں صرف ان کی غزلیات سے بحث کرنا مقصود ہے۔ باقی اصناف سخن ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ کیونکہ ہمارے ہاں صرف غزل ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر کوئی شاعر بجا طور پر فخر کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ اور یہی اس کا وہ کارنامہ ہے۔ جس کے مطابق اسے مولانا آزاد کے دربار بقائے دوام میں نشست ملتی ہے۔ باقی اصناف سخن کو ہم بجا طور پر اس لائق نہیں خیال کرتے کہ ایک شاعر کے لئے باعث فخر و مباہات ہوں۔ ہاں ممکن ہے کہ ایک ناظم کے لئے قابل فخر کارنامہ ہو۔ مگر ناظم اور شاعر میں جو فرق ہے۔ وہ اہل نظر اور اہل ذوق کو مخفی نہیں۔ مومن نے لمبی اور چھوٹی ہر قسم کی بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔ جس سے ان کی استادی اور قادر الکامی کا پتہ چلتا ہے۔ ہر کیف اشعار طرچ چھوٹی بحروں کی غزلیات میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح لمبی بحروں کی غزلیات میں بھی۔ مگر چھوٹی بحروں میں جس طرح ان کو پر لطف مضامین نباہنے میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ لمبی بحروں میں نہیں ہے۔ لمبی بحروں میں جو غزلیں لکھی گئیں ہیں۔ وہاں یہ عالم ہے کہ غزلوں پر غزلیں پڑھتے چلے جاؤ۔ مگر کوئی ایسا شعر نہ ملے جسے حقیقی معنوں میں شعر کہا جاسکے بلکہ اشعار میں نظم کا سانگ پیدا ہو گیا ہے۔ ہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بعض غزلیات بہت ہی پر لطف اور بامزہ ہیں۔ لیکن چھوٹی بحروں میں جو غزلیات لکھی گئی ہیں۔ ان میں شکل سے ہی کوئی غزل ایسی ہوگی جس میں دو چار تڑپا دینے والے اشعار نہ ہوں۔ گو اس قسم کی غزلیات بہ نسبت اول الذکر کے کم ہیں، لیکن انتخاب سے

دراصل ہو جائیگا کہ یہی تمام دیوان کا نچوڑ ہے۔ اور یہی مومن کا وہ کارنامہ ہے جس کے لئے ہنسنے کا قلم اٹھایا ہے۔ ہر زمانے کی ایک مخصوص ادبی فضا ہوتی ہے جس سے ہر چھوٹا بڑا انسان متاثر ہوتا ہے۔ ذوق، غالب، اور مومن معاصر تھے اور مومنوں کی ادبی فضا مشترک تھی۔ ان کے کلام کے باقاعدہ پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس طرح ان کے خیالات باہمی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ یہی قدرت کا عام عطیہ ہے جس میں ہر ایک تقریباً برابر کا حصہ دار ہوتا ہے۔ بعض دوسری چیزیں ایسی ہی ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے معاصرین سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور جس کا تعلق

”دیتے ہیں بادہ طرف قدح خوار دیکھ کر“

سے ہے۔

مومن دونوں فضاؤں (عمومی و خصوصی) میں ایک خاص انداز سے گرم ہرماں نظر آتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اس قدر بلند اڑتے ہیں کہ غالب ایسے عشق آشیان اور سدرہ نشیں کے بال و پردہاں چلنے لگتے ہیں اور بعض اوقات اتنے مجھڑے اڑتے ہیں کہ زارغ و زغن بھی اُن سے باز می لے جاتے ہیں۔

مومن کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ ہے۔ گو بعض نقادین فن کے یہاں ذوق کی زبان اپنے تمام معاصرین سے سلیس اور لطیف سمجھی جاتی ہے۔ مگر میرے نزدیک مومن کی زبان اپنے معاصر سے کہیں زیادہ صاف ہے صنائعِ لفظی کا الزام جس بے تکلفی سے مومن کے بیان ہے کہیں نظر نہیں آتا۔ محاورہ کی آمیزش بھی کچھ کم پر لطف نہیں۔ بعض اوقات انھیں صنائعِ لفظی کے بیچ میں ایسے ایسے لطیف مضامین ادا کر جاتے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے :-

آنکھ نہ لگنے سے سب اجا بنے آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

”آنکھ نہ لگنا، شب بیداری کے معنوں میں آتا ہے۔ اور آنکھ کا لگ جانا، محبت کرنے کے معنی دیتا ہے۔ ہر دو محاوروں کے میاں ختم

استعمال نے کتنا خلاق کیف مضمون پیدا کر دیا ہے۔

شب ہجر کی تکالیف کم محبت عاشق کے لئے جس مصیبت اور بلا کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ وہ وہی خوب جانتے ہیں جنہیں کبھی اس بلا بے درماں سے واسطہ پڑا ہو۔ یہ آپ نے سنا ہی ہوگا۔ کہ شب ہجر طلوعِ سحر سے ہمیشہ نا آشنا ہی رہی ہے۔ عاشق انھیں ناقابلِ برداشت تکالیف کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر موت کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ موت جسے با دم اللذات کہتے ہیں۔ اس کی تمام تکالیف کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ مومن موت کی اس مسیحا کی پوری مہج سرائی فرماتے ہیں۔

زندگی ہجر بھی اک موت تھی مرگ نے کیا کار مسیحا کیا۔

موت اور زندگی کی صفت تضاد نے شعر کو کتنا بلند کر دیا ہے۔

ایک ایسی محفل جس میں ہر خاص عام محبوب کی شمع حسن سے دیدہ افروز ہو۔ عاشق کے آنے سے محبوب کا پردہ کے پیچھے چھپ جانا، آپ جاننا نہیں راز عشق کی کتنی بڑی غمازی ہے۔ مومن اسی مضمون کو صنائع لفظی کے ہیر پھیر میں کس پر لطف انداز سے بیان فرماتے ہیں۔

تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

سرو قامت معشوق کی زلفہائے پرشکن کی درازی و طوالت کی تعریف اس قدر مبیاختہ انداز میں تقریباً ناممکن ہے۔

پاؤں تک پہنچنی وہ زلف خیم خیم سرو کو اب باندھے آزاد کیا۔

کجخت عاشق کی سخت جانی دم قتل اسے بسمل ہونے سے محروم کر دیتی ہے۔ اسے اپنا بسمل ہونا اتنا مرغوب خاطر ہے کہ وہ خود خنجر سے اپنا گلا کاٹ کر آب خنجر سے اس پاپس کو بجھاتا ہے۔ قتل عاشق جو محبوب کے لئے اتنا مشکل تھا۔ عاشق اس کڑی منزل کو اتنا آسان کر دیتا ہے۔

خود گلا کاٹ مرا جبکہ میں بسمل نہ ہوا ان کو آساں نہ ہوا، جو مجھ پر مشکل نہ ہوا

عاشق کی بے سرو سامانی اور رختہ حالی سے یخ اس امر کا اندازہ لگا کر کہ وہ معشوق جس کے عاشق کی اس کے ہجر میں یہ حالت ہے۔ خدا جانے، کس بلا کا ماہ پارہ ہوگا۔ نادیدہ عاشق رقیبوں کی فہرست میں ایک اور کا اضافہ ہوتا دیکھ کر اپنے طالع ناساز کی ناسازگاری پر سرپیٹ لیتا ہے۔

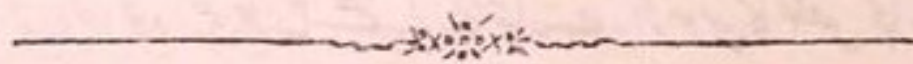
دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب تھا سازگار، طالع ناساز دیکھنا!

عشق کے یہاں رقیب ہی تمام مصائب اور تکالیف کا سبب ہوتا ہے۔ اس کی زندگی ناکامی اور نامرادی کے مرادف قرار دی جاتی ہے اور عاشق کو یقین ہوتا ہے کہ جب تک یہ روسیہ زندہ رہیگا اس وقت تک وصل کا ہونا معلوم۔ ہاں اگر رقیب کی زندگی اختتام آجائے تو پھر البتہ شاہد مقصد سے ہم کنار ہونے کا بہت کچھ امکان ہے۔ اسی آس و یاس کی کشمکش کو مومن اپنے انداز میں یوں بیاں فرماتے ہیں

وہ ہر خالی، تو یہ خالی، یہ بھری تو وہ بھری کاسہ عمر عدد و علقہ آغوش ہوا۔

بست کی تقریب پر معشوق زرد پوش ہے، اور عاشق سیاہ روزگار غم ہجر نہیں گھل گھل کر زرد رنگ ہو گیا ہے۔ عاشق زرد رنگی، کو انکے زرد پوشی سے جو بظاہر مہنگامی مطابقت پیدا ہو گئی ہے۔ مومن اُس کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

داں تو ہر زرد پوش، یہاں میں یوں زرد رنگ داں تیرے گھر بست ہریاں میری گھر بست۔



اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ گو مومن کے زمانہ تک زبان بہت کچھ صاف ہو گئی تھی۔ مگر بعض الفاظ ان کے یہاں ایسے تلے ہیں جو اس وقت کی زبان اور دوزمرہ کے مطابق نہیں مومن سے اس قسم کی فروگزاشتیں مدد دے چند ہیں۔ لیکن ہیں ضرور۔ چنانچہ ذیل کے شعر ہیں

مومن نے مرے کو موبے، باندھا ہے

موتے نہ عشق میں جب تک وہ ہر باں نہوا
بلائے جان ہر وہ دل جو بلا جاں نہوا

اسی پہ بس نہیں۔ بلکہ یہ لفظ جہاں بھی باندھا گیا ہے اسی صورت سے باندھا گیا ہے۔

اسی طرح افغان، چھٹا، اور کبھو، فغاں، جھڑا، اور کبھی کی جگہ باندھے گئے ہیں

حیرت ہے۔ کہ مومن جیسے سلیم الفطرت انسان کی طبع نازک پر یہ الفاظ کیوں گراں نہیں گزرے

مستوق، محبوب، کی بجائے انھوں نے پردہ نشین کا لفظ پسند فرمایا ہے۔ اور تمام دیوان میں تقریباً بیس پچیس دفعہ استعمال کیا ہے
اول تو یہ لفظ، ماہ پارہ، غیرت ناہید، رشک آفتاب، آفتاب حسن وغیرہ الفاظ کے مقابلے میں جو مستوق کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں
لتے چست اور فیض نہیں۔ لیکن پھر بھی اگر اس لفظ کو باندھ کر مومن کوئی خاص مضمون ادا فرماتے۔ جب بھی کوئی بات تھی مگر نہ معلوم
انھوں نے کیوں ایک غیر فصیح لفظ کو ایک فصیح لفظ پر ترجیح دیکر اس کی گردان کی۔

بعض مضامین ایسے ہیں۔ جو انھوں نے متعدد بار مختلف طریقوں سے باندھے ہیں۔ لیکن اگر ان تمام اشعار کو سلسلہ وار سامنے
رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلوب بیان، اور طرز ادا کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں اور ان میں کوئی جدت نہ پیدا کر سکے۔
کہیں کہیں توالی اضافات بھی ہے۔ جس سے کہیں شعر کی حیثیت بہت بلند ہو جاتی ہے اور کہیں بہت پست۔ مگر اس قسم کے اشعار سے
مومن کی آمد اور سلاست کی تحقیر ہوتی ہے یہ اشعار ان کے کلام میں اس طرح معلوم ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک فرنگی نثر اور خاندان
سے ایک سیاہ فام حبشی۔

سرشک اعتراض عجز نے الماس ریزی کی
مگر صد پارہ ہے اندیشہ خون گشتہ طاقت کا

گرہی گرمی مضمون شرر رہی نہ
رشتہ شمع سے شیرازہ دیواں ہوگا

ابتذال اور سوفیانہ پن ان کے کلام میں تقریباً ناہید ہے۔ اگر ان کا مقابلہ ذوق اور داغ سے کیا جائے۔ تو ان کلام تمام ان لغویوں
اور بے ہودگیوں سے پاک نظر آتا ہے۔ جن میں خصوصیت سے داغ بہت بدنام ہیں۔

مومن کے متعلق یہ امر زبان زد خواص دعوا ہے۔ کہ وہ جس خوبی سے اپنا تخلص نباہ سکتے ہیں۔ اور کسی شاعر سے ایسا نہیں بن پڑتا
یہ بالکل درست ہے مگر اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں۔ کہ مومن بحیثیت ایک شاعر ہونے کے اس کمال کی تحسین کا مستحق ہے بلکہ ان کے تخلص میں
یہ خوبی اور صلاحیت پائی جاتی ہے۔ کہ وہ خود بخود اچھی طرح نبھنے کے لئے تیار ہے۔ اگر مومن کا تخلص بجائے لفظ مومن کے اور کچھ ہوتا۔
تو وہ شاید اس نباہ پر اتنے قادر نہ ہوتے۔ مومن کا فر۔ مسجد۔ بت خانہ۔ تسبیح، زنا، ایسے الفاظ ہیں جو ہر شعر میں باندھے جاسکتے ہیں۔ اور
اچھی طرح نباہے بھی جاسکتے ہیں۔

اگر بالفرض یہ مومن کا ہی کمال تسلیم کر لیا جائے۔ کہ ان میں اپنے تخلص کے نباہ کا مخصوص ملکہ تھا۔ تاہم یہ کوئی ایسا کمال نہیں کہ جس سے ان کی شاعرانہ حیثیت میں کوئی نمایاں اضافہ ہو سکے۔ چنانچہ ذیل کی چندا مثلاً سے یہ امر واضح ہو جائیگا۔

دوستی اس صنم آفت ایماں سے کرے مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایماں ہوگا
مرگیا جبہ نہیں گھر میں رسائی اس کے کھتا تو مومن میں دے خلد میں اخل ہوا
ربط بتان دشمن دین اہتمام ہے ایسا گناہ حضرت مومن سے کب ہوا
جا کے کعبہ میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد جاے لبیک سدا ہاے صنم کرتی ہیں

یہی تخلص کا وہ نباہ ہے۔ جو مومن کی تمام خوبیوں اور کمالات پر چھا گیا ہے اور دنیا یہ سمجھ بیٹھی ہے۔ کہ مومن میں سوائے اس کے کہ وہ تخلص کا نباہ اچھا جانتا ہے اور کوئی کمال نہیں۔ اور بھی اس تغافل اور بے پردہی کی وجہ سے۔ جو ادبی حلقوں میں مومن کے متعلق پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس سچم ظریفی یہ کہ کوئی بھی اس امر کی توثیق کے لئے اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا۔ کہ کم از کم دیوان مومن کی ورق گردانی ہی کرے۔

ایشا کے خمیر میں یہ کیفیت داخل ہو چکی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سخت مصیبت زدہ اور خرمین برباد دہ خیال کرے چونکہ اسی

”الم دوستی“ { سموم عام فضا میں شاعر ہی سانس لینے پر مجبور ہوتا ہے اس لئے اس کے منہ سے بھی وہی کچھ نکلتا ہے۔ جو اس کے اندر سوسائٹی، آب و ہوا، اور ملکی رسم و رواج سے واسخ ہو چکنا ہے۔ یورپ کا ایک شاعر مناظر فطرت کی دل فریبیوں اور رنگینوں سے اس قدر بدست ہو جاتا ہے کہ تمام عالم اسے کیف بار اور بادہ آفریں دکھائی دیتا ہے۔ آسمان اور سمندر کی دل فریب نیل گوئی، سبزہ زاروں اور مرغزاروں کی دیدہ فروز سبزی اور گلاب کا لالہ بدوش پھول اس کے لئے سراپا مسرت اور اتہاج ہوتا ہے۔ انھیں اشیاء کو مشرقی دنیا کا شاعر دیکھتا ہے۔ آسمان اور سمندر کو وہ نیلی قبا پوش کا خطاب دے کر عشق جاناں میں ماتم کناں ظاہر کرتا ہے۔ سبزہ زاروں کی مسرت بار خاموشی اور سنسناہٹ کو دیرانی سے تعبیر کرتا ہے۔ گلاب کے پھول کی رنگیں پنکھڑیاں اور شراب پاش رنگینی کو خونی لباس قرار دیتا ہے۔ مشرق و مغرب کی ذہنیت کا یہ فرق ہر جگہ صاف اور نمایاں ہے۔ اور یہی وہ ذہنیت ہے جو معاشرت، اخلاق، علوم و فنون اور ہمارے رگ و پے میں ساری ہو چکی ہے۔

یہ کٹرج ممکن تھا کہ مومن مشرق میں پیدا ہو کر سوسائٹی اور آب و ہوا کے اثرات سے محفوظ رہتے۔ اور پھر شاعرانہ رنگ میں اپنے آپ کو ناکام، مصیبت زدہ اور فریب خوردہ ظاہر کرتے۔

اس کے علاوہ عشق جو شاعری۔ (غزل) کی روح رواں ہے۔ ہمارے شعراء کو بہت ہی کم اس سے بالا پڑتا ہے۔ اور شاعر بحیثیت عاشق ہونے کے جو کچھ واردات قلبی یا حالی بیاں کرتا ہے۔ اسے آپ بیتی نہیں کہا جاسکتا۔ وہ غزل لکھتے وقت اپنے آپ کو عاشق فرض کرتا ہے اور پھر ان جذبات کو اپنے دل میں پیدا کرتا ہے۔ جو عاشق کے دل میں پیدا ہونا چاہئیں۔ چونکہ یہ اس کو آپ بیتی کہانی نہیں ہوتی اس واسطے

اس کے کلام میں آورد کا رنگ غالب ہو جاتا ہے۔ اور یہ سوانگ بھرنا فطری نہیں معلوم ہوتا۔

مومن کے ہاں ناکافی، حسرت، دارماں، یاس و ناامیدی کے تمام مضامین موجود ہیں۔ چونکہ یہ آپ بیتی نہیں۔ اس واسطے پڑھنے والے کے دل پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اسے سراپا مکاری اور عیاری خیال کرتا ہے اور اسی لئے ان کے کلام میں وہ سوز و گداز نہیں جو میر تقی اور غالب کے کلام میں ہے۔

ہاں مومن کے اس قسم کے کلام میں جو شاعرانہ کمال ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کا اسلوب بیان، طرز ادا، بندش کی چستی، محاورات کا نباہ، اور تخیل کی رفعت بہت ہی جاذب توجہ ہے۔ اور یہی ان کی شاعری کا کمال ہے۔ اس لحاظ سے ان کی شاعری کو حالیہ شاعری کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا۔

عیش پرستی خوشی و مسرت انسان میں فطری جذبات ہیں۔ رنج و اندوہ، غم و الم، غیر طبعی ہیں۔ انسان فطر تا خوش و خرم رہنا پسند کرتا ہے۔ مومن مرحوم ہی اسی جذبہ کے ماتحت شاعر ہو کر بھی کبھی کبھی خوشی و مسرت، عیش و نشاط کے تذکرے کرنے لگ جاتا ہے۔ گو ایک مشرقی شاعر سے یہ چیزیں بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ جذبات فطری ہیں۔ اس لئے ضرور ان کا اظہار ہو کر ہی رہتا ہے۔ یہی کبھی ہے کہ آج مشرقی شاعری غیر مالک میں بدنام ہے۔ کہ اس میں سوائے عشق و محبت کے افسانوں کے اور کچھ بھی نہیں۔

بہار مستی ریز ہے۔ ابر بہار در پاشش ہے مستیوں اور رنگینیوں کی بارشیں ہو رہی ہیں۔ ساغر و مینا بادہ آفریں ہیں۔ ایسی حالت میں عاشق جاں باز سے توبہ کی استدعا کرنا کس قدر بے موقع اور بے محل ہے۔ حافظ مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

بجزم تو سحر گفتم استخارہ کنم بہار توبہ شکن می رسد چہ چارہ کنم

مومن مرحوم اس دلکش منظر کی موجودگی میں بیہودگی کے ارتکاب کو یوں سراپاے استحقار سے ٹھکراتے ہیں۔

چرخ زمین میں توبہ کا لٹا نہیں سراغ ہنگامہ بہار و ہجوم سیاح میں تو

چونکہ دنیا کی گرم بازاری سر تا پا ہنگامی اور وقتی ہے۔ اس لئے اہل دنیا دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ ایک وہ گروہ ہے جو دنیا کی تمام ہرزہ تازی اور ہنگامہ آرائی کو پرکاش سے زیادہ وقعت نہیں دیتے اور دنیا سے متنفر ہو کر فکر آخرت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ دوسری وہ جماعت ہے جو اس وقتی اور ہنگامی خوشی و مسرت سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اس گروہ کی قیادت خیام اور حافظ نے کی۔ مومن مرحوم بھی اسی جماعت کی اقتدار میں عیش و عشرت کے ہنگامے گرم رکھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انھیں اچھی طرح علم ہے کہ دنیا کی تمام گرم بازاروں کی انتہاء انجام سرد بازاری ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

فکر مال سے مرد شاہد رہے عزیز پیری میں موت یاد بھتی پیری فبا آئیں۔

مے نوشی، اور شاہد پرستی کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ شباب میں پیری کے ڈراؤنے اور ہیبت ناک مناظر ہمیشہ میرے سامنے

برہے اور بڑھا پے میں موت کی بھیانک تصویر میری آنکھوں کے سامنے منڈلاتی رہی۔ جب شباب کی انتہا بڑھا پاپ ہے۔ اور بڑھا پے کی انتہا موت اور موت بڑھا پے کی تکالیف و مصائب کسی سے مخفی نہیں۔ اس لئے کیوں نہ ہم مے نوشی اور شاہد پرستی کو عزیز خیال کریں اور لطف اٹھائیں۔

مشرق کا بے ننگ و نام عاشق شبِ ماہتاب میں ہر ایک حیا سوز منظر کو دیکھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز خیال کرتا ہے۔ غالب شراب سے توبہ کر چکنے کے بعد بھی شبِ ماہتاب میں ایک دو گھونٹ پینے سے نہیں جھجکتا۔ اور شبِ ماہتاب کی خنکی اور آتش سیال کی گرمی سے ہم لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ مومن بھی شبِ ماہتاب دیکھ کر اپنے فطری جذبے کو نہیں دبا سکتے۔ اور کہہ اٹھتے ہیں۔

کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے باوہ مست ہوں میں شبِ ماہتاب میں

جذبات نگاری کا دوسرا نام شاعری ہے۔ چونکہ حالات کے ماتحت شاعر کے دل میں مختلف جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر انہیں مختلف طریقوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ اس لئے شاعر کا ہر خیال دوسرے خیال سے تقریباً بالکل مختلف ہوتا ہے اور پھر قانع نگار اور نقاد کے لئے سخت مشکل ہوتی ہے۔ کہ وہ کوئی عام عنوان قائم کر کے ان اشعار کو اس عنوان کے ماتحت لکھ سکے۔ بلکہ حقیقتاً تذکرہ نگاری اور تنقید کا حق جب ہی ادا ہوتا ہے۔ کہ ہر شعر کے لئے مختلف عنوان قائم کر کے اس پر بحث کی جائے اور اس کی خوبیوں کو بیاں کیا جائے۔ مگر تاہم علماء نے غزل کے جو دو اہم عنوان قائم کئے ہیں۔ ہم بھی مومن کے کلام پر بغرض سہولت اسی لحاظ سے بحث کرینگے کسی چیز یا حالت کی تعریف اس طرح بیان کرنا کہ اس شے کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے۔ محاکات کہلاتی ہے۔

محاکات { رقیب کی رقابت۔ اندوہ بھروں۔ غم عشق، وعدہ و صل امید و فاد غیرہ سیکڑوں قسم کے واقعات ہیں۔ جو عاشق کو عشق میں پیش آتے ہیں۔ ان واردات کو شعر کے لباس میں بیان کرنا، اور اس طرح بیاں کرنا کہ سننے والے کے دل میں وہی جذبات موجزن ہونے لگیں۔ شاعری کا بہت بڑا کارنامہ ہے، ورنہ رقابت، شبِ ہجراں کی مصیبت، غم عشق کی جانکاہی وعدہ و صل میں انتظار وغیرہ فی نفسہ کوئی ایسے واقعات نہیں جو کسی کو نہ پیش آتے ہوں، اس لئے ایک ہی چیز کا وقوع اتنا عام ہو، اس میں کوئی خاص ذہنیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ مگر شاعر اپنے جوش بیان اور طرز ادا سے اسے اس قدر لطیف اور پر کیف بنادیتا ہے کہ اس کا لطف کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے سننے والے سنتے ہیں۔ اور سرو صفت ہیں، جس قدر شاعر کا تخیل زبردست ہوگا۔ اس قدر اس کی شاعری کیف بار اور نشہ آور ہوگی۔ اور تخیل ہی وہ چیز ہے جس پر شاعری کے قصر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ورنہ اگر شاعری سے تخیل کو علاحدہ کر دیا جائے تو یہ شاعری چند لچر باتوں کا ایک مجموعہ ہے۔

معشوق کو شراب نوشی کا چسکا ہے۔ اور وہ شب و روز اسی شغل میں بسر کرتا ہے۔ شراب ایک گرم چیز ہے جس سے خون کا دیہہ تیز ہو جاتا ہے۔ شراب کی گرمی اور اس کی آتش بار رنگینی یار کے سہائے نازک سرخ ہو جاتے ہیں اور اس کی شراب حن و آتش سے آتش

ہم جاتی ہے جس سے اس کی دلفریبی کا معیار بلند ہو جاتا ہے۔ عاشق بیمار کی اس بادہ پیمانی کو اپنی تمام سیمہ بختیوں کا پیش خیمہ خیال کرتے ہوئے یوں لب کشادہ ہوتا ہے

لب مے گوں پہ جان دیتے ہیں ہمیں شوق شراب نے مارا
اب اگر شاعرانہ تخیل کو علیحدہ کر دیا جائے۔ تو شعر کی حیثیت نہایت ہی پست ہو جائیگی اور یہ خیال ایک مضحکہ خیز مجذوب کی بڑ ہوگی۔ جسے کوئی ذی فہم انسان سننا بھی گوارا نہ کریگا۔

عاشق کو خوش بختی سے یار کی بزم خاص میں باریابی کا موقع مل جاتا ہے۔ کسی تقریب سے وہ عاشق ہی سے دریا ذلت فرما میں کہ تمہیں کس کا عشق ہے۔ تم گھلتے جا رہے ہو۔ اب وہ اس خوش تقریبی کا جتنا شکریہ ادا کرے تھوڑا ہے کہ وہ اور محبوب کا اس سے یہ سوال خدا ساز بات ہے۔ گواہ اپنے عرض مدعا کا ایک زریں موقع نصیب ہوا ہے لیکن اسے اس کی ذکر کھائے جا رہی ہے کہ وہ جواب دے تو کس پیرائے میں دے۔ کہ اصل مدعا بھی ادا ہو جائے اور محبوب کو بھی کسی قسم کی بخشش کا موقع نہ ملے۔

کپہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں، مجھے فکر جواب نے مارا

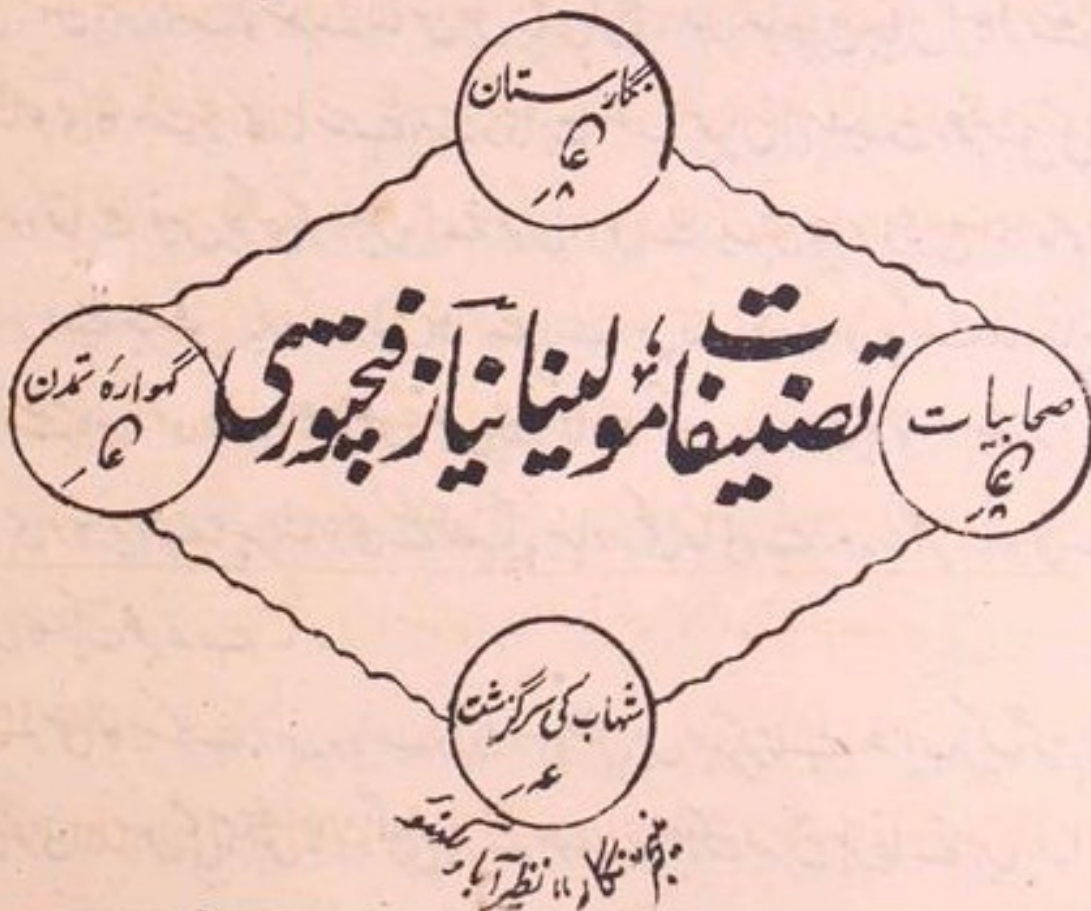
آپ پوچھتے ہیں، کسی قدر طنز یہ پیرایہ میں ادا ہوا ہے۔ اور پھر فکر جواب نے مارا، نے شعر میں جان ڈال دی ہے آپ اگر شاعر کے تخیل کو شعر سے علیحدہ کر دیا جائے تو شعر کی کیا حیثیت رہ جائیگی۔

باقی ————— باقی

عزیز

—:~::~~::~~:—

چھ روپیہ بذریعہ
سنی آرڈر پلے روانہ
کر دیں گے تو یہ کتابیں
مع حصول آپ کو
چھ روپیہ میں
بہج دی جائیں گی



اگر علیحدہ علیحدہ یا سب
بذریعہ دی۔ پنی یہ
کتابیں منگائی جائیگی
تو علاوہ محصول چہر
میں روانہ کی جائیگی
اور اگر آپ صرف

طہیر الدین محمد بابر

(گزشتہ سے پیوستہ)

بابر بہت سے عقلا، شعرا اور ماہرانِ علم موسیقی کے نام لکھتا ہے جو اس کے شباب میں بمقام ہرات سکونت پزیر تھے۔ جامی کو ملک الشعراء کا مرتبہ حاصل تھا لیکن بابر قریب قریب ان بارہ دیگر شعراء کی سوانح عمریاں اور ہنرمند مصوروں اور مفیدیوں کے حالات بیان کرتا ہے۔ پروفیسر دیمیری جو ان معاملات میں مستند مورخ ہے لکھتا ہے

”آج تربیت و شائستگی اور اعلیٰ درجہ کی تہذیب المختصر جملہ صفات جن کا کہ وہ نام جلتے ہیں اور ان سب کا خیال جو ایشیا یا کسی دوسرے حصہ ملک کے مسلمانوں میں قائم ہے، اُن حالتوں سے ماخوذ ہے جو تیمور سے لیکر بابر کی موت تک سمرقند اور ہرات میں ترقی پر تھیں۔“
ان اجنبی آدمیوں کے واقعات بغور پڑھنے کے بعد انکی اجنبیت ہمارے نزدیک باقی نہیں رہتی کیونکہ ہم انسانی مشترک خصائل کی باطنی کیفیت کی تمیز کرتے ہیں اور اجنبیت کی سطحی تفریق تقریباً زایل ہو جاتی ہے۔ ہر چیز زمانہ حال کے مطابق ایسی معلوم ہوتی ہے کہ ہم کو صحیح منظر قائم رکھنے کی غرض سے اصلی میاںوں کی طرف لوٹنے میں جبر اختیار کرنا پڑتا ہے۔

شہداء میں ہرات میں شعراء و صناعتوں کا ایک اچھا خاصہ مجمع تھا جن کے تعلقات قریب قریب درستانہ تھے۔ ان کے اختلافات سے واقف ہونے کے لئے ایک سخت مناظرہ کی تلاش کی ضرورت ہے۔ علی شیر بیگ کی نظم آج بھی ہمارے دلوں پر اثر کرتی ہے لیکن ہم اس بات کو مجبوراً تسلیم کرتے ہیں کہ شیوہ برٹ کا گیت، پی۔ مانیر، علی شیر بیگ کے لئے محض بے سرائی ثابت ہو گا۔ ذیل کی مثال ظاہر کرتی ہے کہ بابر کمال فن شاعری کی قدر کرتا تھا اور یہ مثال اس کے دل کی سادگی اور سچائی ظاہر کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے: ”دینیوشی کے ایک جلسہ میں شعر پڑھا گیا

محبوبی ہر عشوہ گیر اچہ کند کس؟ جائی کہ تو باشی دگریر اچہ کند کس؟

یہ قرار پایا کہ اسی قافیہ پر ہر شخص فی البدیہہ شعر کہے۔ میں نے کہا:-

مانند تو دہوش گیر اچہ کند کس؟ ہر کاہ کش مادہ خیر اچہ کند کس؟“

۱۷ آرمینہ کارہنے والا۔ ولادت ۱۸۳۲ء اس نے ہنگری کا سفر کیا ہے۔ مشرقی علوم کا مشہور عالم ہے۔

۱۸ تاج بخارا صفحہ ۲۴ مولف۔

۱۹ فرنیز پیٹر شیوہ برٹ ولادت بمقام دانشدار السلطنت اشریاء ۱۸۷۷ء وفات ۱۹۰۷ء بہت سے راگ درگنی کا موجد۔

کارخانہ صفحہ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کا پتہ صرف خا کافی ہے

اس سے پہلے میں اپنی نظم قلمبند کرالیتا تھا اور جب میں نے یہ مصرعے کہے تو میرے دل میں عجیب طرح کے خیالات پیدا ہوئے اور یہ افسوس ہوا کہ زبان جو اعلیٰ سے اعلیٰ کلام کہنے پر قادر ہو اس سے ایسے ناپاک کلام ادا کرنا گوارا کیا جائے۔ اور یہ ایک قسم کا مایہ خو لیا ہے کہ دل جو ایسے ارفع و اعلیٰ خیالات کا سرچشمہ ہو اُسے اس قسم کے ذلیل اور مذموم تصورات میں مصروف رکھا جائے۔ اسوقت سے میں نے اردو مذہب جو یہ کلام اور ہزلیات نظم سے اجتناب کیا ہے۔ پہلے میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا کہ یہ طرز عمل کس قدر قابل اعتراض ہے؟ آگے چلکر ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے ایک مذہبی رسالہ کو نظم میں ترجمہ کیا ہے۔۔۔ میں بلاناغہ اُسے نظم کرتا ہوں اور بالا و سطر روزانہ باؤں اشعار ہو جاتے ہیں ایک مرتبہ موسم سرما میں کابل جاتے ہوئے فوج برف و طوفان کی وجہ سے سخت پریشان حال ہو گئی۔ آخر کار الگ ایک غار میں ٹہر گئے بابر نے اپنے واسطے برف میں ایک سوراخ بنایا، وہ میرے سینہ تک گہرا تھا اور وسعت میں جتنا زائماں اور اسیں بیٹھا، بعض نے چاہا کہ میں بھی گروہ میں چلا جاؤں مگر میں نہیں گیا۔ مجھ کو یہ بات محسوس ہوئی کہ مجھے گرم جگہ میں آرام سے رہنا جبکہ میری فوج واسطے برف اور بوجھار کے زد میں ہیں، یا مجھے سونا اور آرام اٹھانا جبکہ وہ سب مصیبت میں ہیں انکی شریک مصیبت ہونے سے جو انکا حق ہو گریز کرنا ہے۔ میں برابر اسی بوجھار میں بیٹھا رہا۔

ایک دوسری شب کو دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرتے ہوئے بابر ایک اونچے درہ کوہ پر چڑھ گیا، اسوقت تک میں نے سہیل ستارہ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ رجوداقی شمالی عرض البلد میں نہیں دکھائی دیتا، لیکن چوٹی پر پہنچتے ہی سہیل نیچے کی طرف ظاہر ہوا جو جنوب کی سمت روشن تھا۔ میں نے کہا یہ سہیل نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے جواب دیا، ضرور یہ سہیل ہی ہے، "الغ بیگ کا خلف علم نجوم کی ذریعہ سے اُن ستاروں کے علم سے بھی جسے اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا واقف ہو گیا۔ ہمارے موجودہ سپاہیوں میں سے کتنے ایسے نکلیں گے جو سہیل کو دیکھیں تو پہچان لیں اپنے عہد شباب میں بابر شریکین اور حیا دار تھا اور بہت عرصہ تک اُس نے شراب کا استعمال قطعاً نہیں کیا تھا۔ مابعد میں وہ

۱۷ بابر نے قرآن خط بابر میں لکھ کر مکہ منظرہ کو بھیجا تھا۔ فارسی اور ترکی زبان میں اس کا ایک دیوان بھی مشہور ہے۔ اس نے فقہ حنفی پر ایک کتاب سبُن لکھی تھی فن و فن میں ہی اس بادشاہ کے رسالے مشہور ہیں حضرت مقدس کا رسالہ ولید یہی اُس نے نظم کیا تھا علم موسیقی اور دیگر فنون میں بھی اُس نے کمال حاصل کیا تھا۔ میرزا حیدر اپنی تالیف رشیدی میں کہتے ہیں کہ حقیقت اُس سے پہلے اس خاندان میں کوئی شخص ایسا باکمال نہیں رہا۔ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ بابر کو نظم اور شردونوں کی تحریر میں کمال حاصل تھا خاص کر وہ ترکی زبان میں نظم لکھنے میں اپنا جواب نہ دیتا تھا۔ اپنے واقعات کو ترک بابر کے نام سے ابتدائی سلطنت سے وفات تک کچھ حالات میں فصیح و بلیغ عبارت میں لکھا جو فرامردوں کے لئے ایک عمدہ دستور العمل اور تجربہ و عقل حاصل کرنے کے لئے بہترین قانون ہے اس ترک کو میرزا خاں خانان ابن ہرم خان نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ فارسی زبان میں دیکھیں اشعار کہتا تھا۔ فونڈ ملاحظہ ہونے

ہلاک میکندم فرقت تو دانستم و گرنہ رفتن ازین شہر میتوانستم مابہ زلف سیمش دل بستم از پریشانی عالم رستم
باز آئی اے ہمائی کہ در طوطی خطت نزدیک شد کہ زاع برد استخوان من

سخت پابندی کیساتھ مینوشی کرنے لگا اور وہ اپنے ہر دور شراب کا صحیح صحیح حال لکھتا ہے۔ اس لڑائی کے بعد جبیں اس نے ہندوستان کو فتح کیا وہ لکھتا ہے کہ میں نے صدق دل سے ردِ بالکل توبہ کر لی اس نے اپنی ساری مینا کار صراحیاں اور جام شراب توڑ ڈالے اور درویشوں اور فقر کو دیدے اور کل شراب کا سرکہ بنالیا اور آخر کار اپنے طریقہ زندگی کی تبدیلی پر ایک فرماں جاری کیا اور خدا کی درگاہ میں بہت عجز و الحاح کیا۔

ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ایک ظالم کیسے خواب دیکھتا ہے۔ ایک مرتبہ جبکہ بابر نے بھنگ کی گولی کھائی اور سو گیا تو اپنا خواب اُس نے یوں لکھا ہے :-

مہنوز میں اس کے نشہ میں تھا کہ میں نے چند خوبصورت باغات دیکھے۔ مختلف کیاریوں میں پھول زمین پر پچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کیاریوں میں زرد رنگ کے پھول کھلے تھے دوسری طرف سرخ رنگ کے پھول شگفتہ ہو رہے تھے بہت سی جگہوں پر ایک ہی تختہ میں وہ سب ایک منہ کھل رہے تھے۔ جیسے کسی نے پینک کر فشر کر دئے ہوں۔ مین کیاریوں کا یہ نظارہ دیکھنے کی غرض سے ایک دچی جگہ پر جا بیٹھا۔ جہاں تک کہ نظر پہنچ سکتی تھی، ایک ہی قسم کا چمنستاں پھولا ہوا تھا۔ واضح ہو کہ یہ واقعہ خواب دیکھنے کے کئی سال بعد لکھا گیا ہے اور وہ آگے لکھتا ہے :-

پیشاور کے قریب بہار کے موسم میں پھولوں کے تختے نہایت خوشنما اور بہلے معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں بھی یہ سخت دل سپاہی گیا ہوں وہیں اُس نے چمن اور باغ لگائے اور تفریح گاہ اور سیر کی جگہ بنائی ہیں۔

کابل سے تھوڑے فاصلہ پر بابر نے ایک چھوٹا سا حوض سنگ سرخ کا جہاں سے شہر کا منظر دکھائی دیتا تھا تیار کرایا اور اس کے کنارے یہ اشار کتبہ کرائے :-

نوروز، ونو بہار دے، دو بہر خوش است بابر بعیش کو مش کہ عالم دوبارہ نیست

”میں نے ہدایت کی کہ اس حوض کے چاروں طرف پتھر لگائے جائیں اور اس کے چاروں طرف ایک خوبصورت چوبترہ نشست کی غرض سے بہت خوش فریمہ بنایا گیا۔ جبوقت کہ ارغوانی پھول کھلتے ہیں میں نہیں جانتا کہ دنیا میں کوئی جگہ اس سے مقابلہ کر سکتی ہے۔“

کابل سے اُس نے ہندوستان پر کئی بار یورشیں کیں جنہیں صرف حملہ کہا جاسکتا ہے اور آخر کار پنجاب کے بداندیش امرا کی مدد سے وہ ہندوستان کے فتح کرنے پر مستعد ہوا۔ ان پیچیدہ لڑائیوں اور عہدِ پیمانوں کی تفصیل بیاں کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے نہ اُس آخری عظیم الشان جنگ کے تذکرہ کا موقع ہے جس میں بابر نے دارالسلطنت آگرہ پر قبضہ حاصل کیا۔ اس کی فوج میں نہ صرف ترکی جبرگے تھے بلکہ ہندوستانی مددگار بھی تھے۔ ان کے سپاہیانہ خط و خال میں ایسی نہ بکھنے والی آگ چمک رہی تھی جس نے بعد کو ایشیا کے عہد کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

اس کی فتحمدی کا بڑا سبب اس کی فوجی تربیت کا طریقہ تھا جو اس نے پہلی مرتبہ جاری کیا تھا۔ سپاہی تیر و کمان، برپھی و بھالے، شمشیر، گرز، اور بعض توڑے دار بندو قوں سے مسلح تھے۔ اس زمانہ کے محاصرہ کا توپ خانہ نہایت بہدا اور بھاری تھا۔ "جبوقت کہ گنگا پر پل طیار ہو رہا تھا استاد علی قلی نے اپنی توپ سے نہایت صحیح نشانہ مارا۔ پہلے دن اس نے آٹھ اور دوسرے دن سولہ فیر کئے اور تین یا چار دن وہ اسی طریقہ پر فیر کرتا رہا۔ اُسے فتحمد توپ کہتے تھے اور استاد خان اپنی کامیابی پر انعام سے سرفراز کیا گیا۔"

۱۵۲۶ء میں آگرہ پر قبضہ کرنے کے بعد خزانہ تقسیم کیا گیا۔ بھائیوں کو جو بابر کا خلف اکبر اور جانشین تھا علاوہ ایک محل کے ستاسی ہزار ڈالر تقسیم میں ملے۔ اس کے دوسرے بیٹوں اور امرا کو بیس ہزار سے لیکر سات ہزار پانچ سو ڈالر ملے۔ "ہر ایک تاجر، ہر خواندہ آدمی فوج کا ہر شخص، میرے جملہ دوست اور رشتہ دار چھوٹا بڑا کوئی ایسا نہ تھا جسے از قسم سونا، چاندی، خلعت، جوہرات یا قیدی غلام انعام میں نہ ملے ہوں۔" کابل کے ہر تنفس مرد یا عورت، بچہ، غلام اور آزاد کو چاندی کا ایک سکہ جو قیمت میں انگریزی شلنگ کے برابر تھا ملا۔ بابر کی فضول خرچی ضرب المثل ہو گئی۔

اسیوقت میں وہ مشہور ہیرا بھی قبضہ میں آگیا۔ بابر لکھتا ہے "کہ وہ ایسا بیش بہا ہے" کہ اس کی قیمت دنیا کے روزانہ خرچ کا نصف حصہ اندازہ کی جاتی ہے۔

اسی طرح پر بابر تخت ہندوستان پر بیٹھا اور ایک سلطنت کا موجد قرار پایا۔ آؤ دیکھیں کہ خود فاتح نے اپنے مفتوحہ ملک کی نسبت کیا رائے ظاہر کی ہے۔

"ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں عیش و آرام کے ایسے سامان بہت کم ہیں چھٹے کہ اس کی جانب کسی قسم کی کشش ہو۔ یہاں کے لوگوں میں حس نہیں ہے اور نہ مذاق صحبت ہے۔ اہل ہند میں نہ ذہن ہے نہ ادراک، نہ اخلاق، نہ ہمدردی بلکہ اس قدر زیادہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کسی قسم کی اختراع یا ایجاد اپنی دستکاری یا تجارت میں کر سکیں۔ فن عمارت میں نہ وہ کسی قسم کے نقشے بنانے سے واقف ہیں نہ انہیں کچھ مہارت ہے نہ تو ان کے یہاں عمدہ گھوڑے ہیں نہ کھانے کے لئے عمدہ گوشت ملتا ہے نہ انگوڑے، نہ تربوز، نہ برف، نہ آب سرد، نہ عمدہ غذا، نہ حمام، نہ دارالعلوم، نہ شمع نہ شعل اور حتیٰ کہ شمعداں تک کسی قسم کا نہیں ہے۔ خاص صفت ہندوستان کی یہ ہے کہ یہ ایک بڑا وسیع ملک ہے اور یہاں سونا اور چاندی کثرت سے ہے۔ اور بہت سے مشاق و دستکار اور کارگر ہیں۔ آگرہ خاص میں اُس نے

۱۷ یہ غالباً وہ پتھر تھر نور ہوگا جو اس وقت شاہ فارس کے خزانہ میں موجود ہے مگر وہ کوہ نور نہ تھا جیسا کہ بعد کے مورخین کہتے ہیں۔ مؤلف ابوالفضل اکبر نامہ میں یہ لکھا ہے، و حضرت جہان بانی جنت آشیانی کہ پیشتر بدار اسطنت آگرہ نزول اجلال فرمودہ بودند الماس سے کہ شست متعال وزن داشت و نیمیں مبصران جو ہر خناس بہلے آن نصف خرچ روزمرہ ربع سکون بود و میگفتند کہ این الماس از خزانہ سلطان علاء الدین بود کہ از اولاد بکر ماجیت راجہ گویا بہر بہت اور آمدہ بود و بیشکش کردند و حضرت گیتی ستانی بہت خاطر گرامی ایشان قبول نموده باز بایشان عطا فرمودند۔

۶۔ کاریگر ملازم رکھے تھے جو روزانہ کام کرتے تھے اور ۱۴۹۱ سنگتراش مختلف عمارتوں میں کام کرتے تھے۔ دوسری جگہ پردہ لکھتا ہے :-
ہندوستان کے باشندے اور خاص کر افغان بہت ہی احمق اور ناشکھ لوگ ہیں۔ غور و فکر سے مطلق کام نہیں لیتے اور دوراندیشی کو
ان کے مزاج میں بہت کم دخل ہے نہ تو وہ جنگ میں مستقل مزاج رہتے ہیں اور نہ دلیرانہ لڑ سکتے ہیں۔ اور نہ برابر خیر خواہ یا دوست
رہ سکتے ہیں۔“

اس کی زندگی اب تک دوڑ دھوپ اور جنگ و جدال میں گزری ہے۔ گیارہ برس کی عمر سے لیکر بعد میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے دو رمضان
ایک ہی جگہ گزارنے کا موقع ملا ہو۔“ جب اس کی عمر چھ برس کی تھی وہ ایک محاصرہ میں موجود تھا اور شکایتا کہتا ہے: ”دو بیسے تک سوا محاصرہ
کا رروائی کے اور وہاں کچھ کام نہ تھا نہ کوئی اچھی جنگ ہوتی تھی۔“ اس کی ساری کارآمد زندگی انہیں اچھی جنگوں یا ہنگاموں کے دوڑ دھوپ
سرف ہوئی۔“ آج میں تفریحاً گنگا کو تیر کر پار کر گیا۔ اس سے پہلے سوا ایک گنگا کے ہر دریا کو جو مجھ کو ملا تیر کر پار کر چکا تھا۔“

ہندوستان میں اس کو خفیہ دشمنوں اور نیز میدان جنگ میں فوجوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

اگر وہ اسے باورچیوں کی دغا بازی اور چاشنی گیر کی لاپرواہی سے زہر دیا گیا۔“ چاشنی گیر کو ٹکڑے ٹکڑے کئے جانے اور باورچی کی زندہ
ہال کچھوانے کا حکم دیا گیا۔ ایک عورت ہاتھی کے پیروں سے پامال کی گئی۔ اور دوسری بندوق کا نشانہ بنائی گئی۔“ بابر جانبر ہو گیا۔ احمد شہزاد
اس سے پہلے پوری طور پر نہیں سمجھتا تھا کہ زندگی ایسی پیاری ہوتی ہے۔ شاعر کا قول ہے۔ ع۔ موت کے منہ میں پہونچ کر زندگی کی قدر
رہتی ہے۔ جب اس قسم کے ہولناک واقعات مجھے یاد آتے ہیں تو بے اختیاری کے ساتھ بیہوشی کی حالت طاری ہونے لگتی ہے۔ خدا نے اپنے
نفل سے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے۔ بھلا کس طرح پر میری زبان اس کا شکریہ ادا کر سکتی ہے؟“

خوش قسمتی سے اتفاقیہ میں بابر کے دو خطوط ہاتھ آ گئے ہیں۔ ایک اس نے اپنے بیٹوں کو بطور فہمائش اور تنبیہ کے لکھا ہے دوسرا خط
اس نے کابل کو اپنے ایک معمر اور معتبر دوست کے نام لکھا ہے۔ اول الذکر خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کے چال چلن سے سخت
مرار اور مایوس ہو رہا ہے اور وہ آخر الذکر خط میں وہ اپنے دلی آلام کا اپنے دوست پر اظہار کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے: ”مجھے اپنی مغربی
ملطنت (کابل) کے دیکھنے کی حد سے زیادہ خواہش ہے جو بیان سے باہر ہے۔ میں خدا تعالیٰ کی ذات سے یقین کرتا ہوں کہ بہت جلد
اس ملک کے معاملات بمیہ وجوہ طے ہو جائیں گے۔ جسوقت ایسا ہوا انشائاً اللہ تعالیٰ میں بلا تاخیر مختاری طرف روانہ ہوں گا۔ یہ کیونکر ممکن
ہے کہ وہاں کی دلچسپی کا خیال دل سے محو ہو جائے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس دلکش سرزمین کے لطیف اور خوش ذائقہ تربوز اور انگور
ملا دئے جائیں؟ ابھی حال میں لوگ میرے لئے کابل سے صرف ایک سرودہ لائے تھے۔ جب میں اسے تراش رہا تھا تو مجھے اپنی تہائی
رحلا وطنی کے خیال سے کہ گھر سے دور کالے کوسوں پڑا ہوں۔ انسو میں ہوا اور میرا دل بھرا آیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
وہ فوجی اور ملکی معاملات کے متعلق قابل توجہ طول طویل ہدایات لکھتا ہے اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا: بہت کے جنوبی اور مغربی گوشہ میں

بابر کی قبر پر سنگ مرمر کے دو لوح نصب کئے گئے اور جیسا کہ مشرق میں عام رواج ہے کتبہ کے ایک حصہ کے مختلف حروف سے بابر کے وفات کا سنہ ہجری معلوم ہوتا ہے۔ یہ مادہ تاریخ سموقع پر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

شد چو فردوسش مکان رضوان زمن تاریخ جست گفتش فردوس دایم جای بابر بادشاہ

”بادشاہ کے مزار کے قریب اس کی بیگمات اور اولاد مدفون ہیں اور یہ چھوٹا باغ چاروں طرف سنگ مرمر کی دیوار سے گھیر دیا گیا تھا۔ ایک شفاف وردان چشمہ اب بھی اس قبرستان کے خوشبودار پھولوں کی آبپاشی کرتا ہے فرصت اور تعطیل کے اوقات میں باشندگان کابل کا یہاں بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ قبر کے سامنے ایک چھوٹی اور پاکیزہ مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اس پر جو عبارت کندہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کے حکم سے یہ مسجد شہداء میں تعمیر کی گئی تھی کہ غریب مسلمان یہاں نماز ادا کر سکیں۔

اس پہاڑی سے جہان سے بابر کا مقبرہ نظر آتا ہے نہایت خوشنما نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے نیچے شہر کے باغات سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں بابر کے خاص الفاظ یہ ہیں ”موسم بہار میں سرسبزی اور پھولوں کی شادابی کابل کو رشک فردوس بنادیتی ہیں۔“

بابر نے اپنی عادات و خصائل کا مرقع ایسے الفاظ میں کھینچا ہے کہ ہر ایک فیاض دل شخص سمجھ سکتا ہے۔ وہ کامل تربیت یافتہ، شریف اور سپاہی تھا۔ اس میں دور اندیشی، علم، عزم، ثبات، حوصلہ مندی اور فیاضی اور تمام وہ اوصاف جن سے شرافت ماخوذ ہے، موجود تھے۔ علوی شان اور سلطنتی پیشانی سے عیاں تھی۔ مسٹر ارسلین مترجم تزک بابر نے انکا نہایت عاقلانہ خلاصہ لکھا ہے:

بابر کے عادات و خصائل میں جو انوکھی خوبی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسرے مشرقی فرمانرواؤں سے غیر مشابہ ہے۔ یعنی مشرقی فرمانرواؤں

۱۔ مولف نے صرف آخری بیت درج کتاب کی ہے پر اکتبہ یہ ہے: بادشاہ کو خلیفہ توفیق نور آئے + آن ظہیر الدین محمد بود بابر بادشاہ + باشکوہ دولت اقبال و عدل و داد دیں + درست از توفیق و فیض و فتح فیروزی سپاہ + عالم اجسام را بگرفت و شد در دشمن رواں + بہر فتح عالم اردواح چون نور نگاہ + شد چو فردوسش مکان رضوان زمن تاریخ جست + گفتش فردوس دایم جای بابر بادشاہ + بابر کی لاش کو پہلے چہ ماہ تک باغ نور افشان واقع سواد اکبر آباد میں جواب رام باغ مشہور ہے امانت رکھا گیا بعد میں کابل لجا کر دفن کیا گیا۔ خواجہ کلان بیگ نے بابر کے مرثیہ میں یہ شعر لکھا تھا: بے تو زمانہ و فلک سید ارحیف + باشد زمانہ و تو بنامشی ہزار حیف +

۲۔ کتبہ مسجد دروزہ بابر شاہ۔ ابن مسجد لطیف و معبد شریف کہ سجدہ گاہ قدسیاں بہت جلوہ گر دیاں، بفرمان ادب علی اعلیٰ نظر گاہ عالم بالا یعنی روزہ منور بادشاہ غفران پناہ رضوان دستگاہ حضرت فردوس کافی ظہیر الدین محمد بابر شاہ غازی کہ جز آن عمارتی نتوان ساخت بفرمود این نیاز مند تمام لشکر سراستائش سراپا نمائش در گاہ آہی ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ بعد فتح بلخ و بدخشاں و سر دندہ محمد خان از بلخ و شرخان و تاقب طریقے از کار طلبان سردارے اور آن سرزمین باں گروہ فیروزی و ہر میت او و ظفر سپاہ رزم خود آن میدان کہ محض کرم کار ساز حقیقی نصیب این نیاز مند و دولت خواہ این بندہ شرمندہ احسان حضرت یزدان گشتہ آخر سال نوزدہم جلوس سمیت مانوس موافق یکمزار و پنجاہ شش در عرصہ دو سال چہل ہزار روپیہ انعام یافت

و نمائش رسم و رواج کے پابند اور ریائی چال چلن کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے خلاف بابر کے عادات اصل فطرتی تھے۔ وہ زندہ دل تھا اس میں شفقت اور ساوگی پائی جاتی تھی اور اس نے محبت اور معمولی زندگی کے بہترین خیالات کو سلطنت کے ساتھ قائم رکھا ہم کو ایسا فرمانروا کم نظر آئیں گے جو ذہن اور لوازمہ شرافت میں بابر سے اعلیٰ مرتبہ پانے کے مستحق ہوں۔ اس کا پوتا اکبر شاید اپنی عمیق اور فیاض حکمت عملی کی وجہ سے اس سے سبقت لیجائے۔ اور نگ زیب کی کج رفتار حکمت عملی اس تعریف کی مستحق نہیں ہے۔ جنگیر خان اور تیمور کی قابلیت صرف عالیشان فتوحات ہی پر ختم ہو جاتی ہے۔ جو بابر کی کامیابیوں سے ضرور بڑھ کر ہیں لیکن کیا بلحاظ مشنوی خاطر، اور اعتدال کیسا خوش مزاجی اور شکستہ دل نہ ہونے کے، جسکے ساتھ اس نے اپنی انتہائی خوش نصیبی اور بند بختی کو نبایا، اور کیا بلحاظ اخلاقی اور مردانگی کی خوبیوں کے جو اور فرمانرواؤں کے حصہ میں شاذ آتی ہیں، اور کیا بلحاظ علم ادب کی قدردانی اور اس کی اشاعت میں کامیابی کے بابر اور دوسرے ایشیائی شہزادوں میں ممتاز نظر آتا ہے جنہیں سے کوئی بابر کا مقابل نہیں ہو سکتا۔

بابر کے دوستوں کے مقابلہ کرنے سے اس کی کل عملی کارروائیوں کا اگر معلوم ہوتا ہے چونکہ فتحیابی حاصل کرنے اور سلطنت کو وسیع کرنے کا مجھے بڑا حوصلہ تھا امداد میں ایک یاد و شکست کی وجہ سے خاموش نہ بیٹھتا تھا کہ کاہلی کیسا تھا ادھر ادھر دیکھوں اور پھر کہتا ہے "کوئی سمجھ دار آدمی کیسے اپنی عادات و خصائل میں وہ طریقہ روا رکھ سکتا ہے جس کی وجہ سے اس کے مرنے کے بعد اسکی نیکنامی پر دہبہ لگے؟ عقل نے نیکنامی کو ایک دوسری زندگی بتایا ہے۔

مشرقی اور مغربی زندگی کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان موت کا نہایت پیچیدہ چشمہ بہتا ہے اگر ہم زمانہ اور حالت کے ان اختلافات کا ضروری لحاظ مرلرز خاطر کر سکیں تو بابر کسی طرح پر بہ حیثیت سپہ سالار، مدبر اور ادیب ہونے کے سیر سے کم رتبہ پانے کا سزاوار نہیں ہے۔ اس کے خصائل سیر سے زیادہ پندیدہ ہیں جو ہمیں فرانس اور نیویورک کی یاد دلاتے ہیں۔ اس نے ہندوستان کو فتح کر کے ایک عظیم الشان طاقتور سلطنت کی بنیاد رکھی اگر اس کی سب باتوں پر مجبوری لحاظ کرو تو وہ مغل بادشاہوں میں سب سے زیادہ تعریف کے لائق تھا۔

— — — — —

سید عبدالسجان ناظر

۱۵۔ روس سپہ سالار جو بعد میں بادشاہ بھی ہو گیا تھا زبردست مقرر ہمیش مقبض اور مورخ تھا ولادت ۱۰۰ برس اور وفات ۴۴ برس قبل مسیح۔

۱۶۔ فرانس کا ہنری چہارم ولادت ۱۵۵۳ء وفات ۱۵۸۸ء۔ فرقہ پروٹسٹنٹ کا سرغنہ ہنری تیوری کی لقب سے بہت ناموری حاصل کی لیکن فرانس کا بادشاہ بن گیا۔

اُسے رومن کیتولک مذہب اختیار کرنا مناسب سمجھا مگر اسکی سچی ہمدردی فرقہ پروٹسٹنٹ کیساتھ قائم رہی۔ راولیک ایک متعصب عیسائی کے ہاتھ سے قتل ہوا اور پریشان چال ملک سے ایک مضبوط اور عاقل حکمران کا سایہ اٹھ گیا۔

صنفر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے ہر قسم کا عطر منگائیے

لارڈ پرین کا عہد حکومت

(۹)

نظام کی تخت نشینی

”۳۔ فروری — ہم ریزیدنسی کے باہر خیوں میں ٹھہرائے گئے ہیں۔ خوشید جاہ نظام کی طرف سے سب کی آؤ بھگت کر رہے ہیں۔ کمشنر انجیف، وائسرائے اور گورنر سب موجود ہیں۔ موخر الذکر بطور سیاح قیام پذیر ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ چلے آپ کو بلاتے ہیں اس لئے کہ عنقریب پارلیمنٹ میں بہت بڑی مہم شروع ہونے والی ہے چرچل کی تقریروں کے متعلق دیر تک بات چیت رہی۔ وہ میری طرح ان کی آرلینڈ والی تقریر کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن میں حرت بکرن اس سے متفق نہیں ہوں کیونکہ میں اسے خود مختار دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”ہم نے ریزیدنسی میں وائسرائے کے ساتھ کھانا کھایا جنھوں نے ہمارا نہایت تپاکت پر جوش استقبال کیا۔ کلارک ڈر کی ملاقات کی۔ کلارک کچھ مایوس سے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کارڈری اور خوشید جاہ کامیاب ہوں گے۔ حیدر آباد میں ہیضہ کی افواہ دیدہ و دانستہ پھیلائی گئی ہے تاکہ وائسرائے تک اصلی خبریں نہ پہنچ سکیں۔ کی نے لارڈ پرین کے نام ریلوے کی اسلیم کے بارے میں جھٹی لکھی ہے جو یقیناً روپیہ ضائع کرنے کا باعث ہوگی۔ بولارم جیسی درجہ رہنے سے جس قدر تکلیف پہنچ رہی ہے وہ حد بیا سے باہر ہے۔ لارڈ پرین بھی سخت اکتا گئے ہیں۔“

ہم نے ریزیدنسی میں کھانا کھایا۔ اپنی لارڈ پرین اور مسٹر گرانٹ ڈفن کے درمیان میٹھی تھیں اور میں پرم روز کے برابر شمتوں کا یہ انتظام خاص طور پر کیا گیا تھا۔ میں تمام وقت پرم روز سے باتوں میں مشغول رہا۔ ہم بہت صفائی کے ساتھ سیاسیات پر بحث کر رہے تھے اور میں نے کہا کہ سیاسیات میں سچائی برتنا زیادہ فائدہ بخش ہے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ نہ تو لارڈ پرین نے اور نہ خود میں نے پبلک معاملات میں کبھی جھوٹ سے کام لیا۔ زیادہ سے زیادہ میں اس وقت جھوٹ بولتا ہوں جبکہ بے معنی سوالات کئے جاتے ہیں اور ایسے مواقع پر جھوٹ بولنے کی کبھی کبھی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ انھوں نے لارڈ ڈفرن کے متعلق میری رائے پوچھی۔ میں نے کہا کہ میں انھیں سنجیدہ آدمی نہیں سمجھتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بعض امور میں کامیاب وائسرائے ثابت ہوں گے

Gorsel-

Lord Dufferin

۵

۵

کیونکہ وہ خوش اخلاقی، ہمدردی اور عمدہ تقریروں کے ذریعہ ہندوستانیوں کے دلوں کو موہ لیں گے لیکن وہ انہیں آزادی دینے کے بارے میں کچھ کام نہیں کریں گے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ میں مالا باری سے خط کتابت کر رہا ہوں اور انھوں نے البرٹ بل کے بارے میں صاف صاف اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ میں نے ان کا ایک خط سولین کو دکھایا تھا جس نے پڑھنے کے بعد یہ کہا کہ، ایک دیسی میں اس قسم کا خط لکھنے کی کیسے ہمت ہو سکتی ہے۔ میں نے انھیں متنبہ کر دیا ہے کہ وہ سمجھوتے جیسی غلطی کا دوبارہ ارتکاب نہ کریں۔ انھوں نے کہا کہ، آئندہ نیلسن لارڈ پرین کو محسن کے بجائے غدار تصور کریں گی۔

پٹنہ واسے واقعہ کے بارے میں بھی بات چیت رہی۔ وہ کہتے ہیں کہ تحقیقات ہو رہی ہے۔ میں نے کہا کہ سولین لوگوں کے ذریعہ تحقیقات کا کام انجام نہیں پانا چاہئے۔ اس کے بعد والٹر پارلن کا نام لیکر کہا کہ تحقیقات ان کے سپرد کر دینی چاہئے۔ انھوں نے کلکتہ پہنچنے کے بعد باقاعدہ تحقیقات کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ٹریور ایمیں دور سے بھانپ رہا ہے لیکن ہماری آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ کارڈری بھی پریشان ہے۔ لارڈ پرین نے اب تک اس سے بات چیت نہیں کی۔

ڈنر کے بعد لارڈ پرین مجھے اندر کے کمرے میں لے گئے اور پوچھا کہ آیا نظام اپنے دلی ارادوں کو صاف صاف بیاں کر دیں گے یا نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس کا دار و مدار آپ کے طریقہ گفتگو پر ہے اور اگر آپ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خوش اخلاقی سے انھیں یقین دلائیں گے کہ اپنے ارادوں کو صاف صاف بیان کر دینے سے آپ کو نہ تو سخت سے اتارا جائیگا اور نہ کسی اور قسم کی سزا دی جائیگی تو بلاشبہ وہ اپنے جذبات کا اظہار کر دیں گے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ لوگوں نے میری مراد کارڈری سے سمجھی انہیں خوفزدہ کر دیا ہے اور اس لئے ضرورت دلائے اور نرمی کی ہے۔ لارڈ پرین نے کہا کہ ایسے آدمی کی اس قدر ضرورت ہے جو نظام کے بھلے کی خاطر دیوان کو صلاح و مشورہ دے۔ ان کے یہاں جس قدر انگریز ہیں وہ تو روپیہ کے بھوکے ہیں اور سارا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواباً کہا کہ ایسا آدمی چاہئے جو ریاست حیدرآباد کا بھی خواہ ہو اور اگر ارادہ موجود ہو تو ایسے شخص کے ملنے میں کوئی دقت نہوگی۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو یہ خدمت میں انجام دے سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے یونیورسٹی کے قیام کا تذکرہ کیا اور یہ دیکھ کر کہ وہ دیکھی کے ساتھ سن رہے ہیں میں نے یہ کہا کہ نظام آپ کو اس کا پیٹرن بنانا چاہتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اظہار پسندیدگی کریں گے۔ لارڈ پرین نے کہا مجھے یہ اسکیم پسند ہے اور میں اس کا مزنی ہونا قبول کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس سے سید فائدہ پہنچیکا لیکن اس کی بنیاد مذہب پر ہونی چاہئے۔ میں خود نظام کو آمادہ کروں گا کہ وہ اسکی ابتدا کریں۔ میرے سوال کے جواب میں انہوں نے مذاق آمیز لہجہ سے کہا کہ میں تم کو بغاوت پھیلانے کے جرم سے بری کرتا ہوں یہ یقیناً اطمینان بخش ہے۔

۴۔ فروری — رات کو مجھے یکایک خیال آیا کہ مور تمام معاملات کو سدھارنے میں کامیاب ہو جائیگا اور اس لئے میں ان کا نام شیر دیوان کے طور پر لارڈ پرین کے روبرو پیش کر دوں گا۔ کھانا کھانے کے وقت میں یرم روز کے برابر بیٹھا۔ فادر کر

لے (مزنی) Patron ۵۲ Godley

بھی میرے پاس بیٹھے تھے میں نے انہیں بتایا کہ دفتر خارجہ کو اندیشہ ہے کہ کہیں لارڈ پرین صوبہ ہرار نظام کو واپس نہ کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے بد نظمی پر چشم پوشی کی تاکہ واپسی صوبہ ناممکن ہو جائے۔ ہرار کا قبضہ دفتر خارجہ کی پالیسی کا نہایت اہم جزو ہے اور اس لئے اُس نے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ ابھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ پرم روز کو لارڈ پرین نے بلا بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد نظام کی تشریف آوری کے لئے گارڈ آف آنر اور بینڈ آپہنچا اور ہم اپنے خیموں میں چلے گئے۔

پرم روز نے آج مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ میری گاہ بگاہ گاڈے سے خط و کتابت رہتی ہے اور یہ کہ گاڈے کی طرح میں بھی جنگ مصر کے خلاف ہوں۔ میں نے انہیں متنبہ کر دیا ہے کہ ہمدی کے خلاف ہندوستانی افواج نہ بھیجی جائیں اس لئے کہ مسلمانوں کا غصہ مشتعل ہو جائیگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ستمبر ۱۹۲۷ء میں یہ مسئلہ درپیش تھا کہ اگر افواج بھیجی گئیں تو مسلمان اُس کے متعلق کیا خیال کریں گے۔ لیکن اب اس قسم کا کوئی سوال پیش نظر نہیں ہے۔ (وہ سلطان المعظم کا سجد احترام کرتے ہیں۔)

جب نظام تشریف لائے تو ۲۱ توپوں کی سلامی سر کی گئی۔ والٹر پالین کی زبانی مجھے اطلاع ملی ہے کہ ہر ہائیس کی نصف گھنٹہ تک دالسراے سے بات چیت رہی۔ پنج کے موقع پر میں سالار جنگ کے برابر بیٹھا اور انہیں دلایا کہ انتخاب دیواں کا معاملہ نظام کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا۔ انہوں نے چند بار مجھ سے پوچھا کہ کیا لارڈ پرین ہمارے بھی خواہ ہیں؟ میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ لارڈ پرین بذات خاص تو ریاست کی بھلائی چاہتے ہیں مگر دفتر خارجہ بھلائی نہیں چاہتا۔ دالسراے اور دفتر خارجہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ ہم بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ لیکن کیا لارڈ پرین کے متعلق آپ کو یقین ہے؟ میں نے کہا کہ بیشک۔ ساتھ ہی میں یہ تجویز پیش کرنے والا ہوں کہ دیواں کو مشورہ دینے کے لئے کسی انگریز کا تقرر کیا جائے لیکن یہ تقرر انگریزی مفاد کے لئے نہیں بلکہ حیدر آباد کے مفاد کے لئے عمل میں لایا جائے۔

اس کے بعد میں نے یونیورسٹی کے متعلق بات چیت کی اور ان سے درخواست کی کہ نظام پر زور ڈالیں تاکہ وہ اس کا ذکر لارڈ پرین سے کر دیں۔ اس کے بعد میں نے انہیں نصیحت کے چند الفاظ کہے۔ آپ غالباً دیواں مقرر کر دے جائیں گے اور نظام کے بعد ہندوستان میں آپ ہی سب سے بڑے مسلمان ہوں گے۔ اگر آپ دنیا کے اسلام کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں تو میں ہرگز ہرگز ان کے تعصبات کو مشتمل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ آپ بیچ کا راستہ اختیار کریں۔ فوج کا جنرل موقع دیکھنے کیلئے ہر اہل کے ساتھ آگے نہیں جاتا۔ وہ قلب کے ساتھ رہتا ہے۔ یہی کام آپ کو کرنا ہوگا۔ اپنے لباس اور خیالات میں ضرورت سے زیادہ یورپین نہ بنئے یا کم سے کم زبان میں ان کا بہت زیادہ متبع نہ کیجئے اس سے مسلمان ناراض ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ، میری جیسی تربیت پائے ہوئے شخص کے لئے ایسا کرنا مشکل ہے۔ لیکن میں نے کہا کہ اگر آپ اہم سیاسی کام کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کچھ نہ کچھ قربانی کرنی پڑے گی۔ کم سے کم علی گڑھ والوں جیسا نہ بن جائیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں سید احمد کی بالکل پروا نہیں کرتا۔ میرے والد انہیں ہمیشہ بیوقوف سمجھتے رہے۔ وہ صرف دکھاوا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں یہ بات کہنے کی توجہرات

۱۵

نہیں کرتا تاہم آپ محتاط رہے اور اعتدال کو ہاتھ سے نہ دیکھئے +

میرا خیال ہے کہ لائق علی دیواں ہو جائیں گے اور اگر انھیں اچھا مشیر مل گیا تو وہ بہت اچھے وزیر بن سکیں گے لیکن ان کے مزاج میں ابھی بچپن ہے۔ گفتگو وہ ایسے طریقہ سے کرتے ہیں کہ اجنبی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ بد مزاج اور اکھڑے ہیں۔ چنانچہ بعض شخصوں کی ان کی نسبت یہی رائے ہے۔ سالار جنگ نے رسول یار خاں کو میرے آنے کی اطلاع نہیں دی۔ میرا خیال ہے کہ ہٹوار ٹیلی نے انھیں، نظام اور وقار الامرا کو میرے خلاف تنبیہ کر دی ہے۔ سالار جنگ آج بھی اسی تپاک سے ملے جس طرح سے کہ پہلے ملے تھے۔ مگر وہ ذرا پریشان معلوم ہوتے تھے اور انھیں اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی شخص انکی نگرانی تو نہیں کر رہا ہے +

ہم نے کیمپ میں کھانا کھایا جہاں بہت سے افسر مدعو تھے۔ میں مسٹر لیمرٹ کے پاس بیٹھا۔ یہ خفیہ پولیس کے افسر اعلیٰ ہیں کہتے تھے کہ میں نے پٹنہ کے واقعہ کا حال پر م روز سے سنا ہے اور اب میں تحقیقات میں مصروف ہوں۔ میں نے سارا واقعہ شروع سے آخر تک بیان کر دیا۔ انھیں پورے واقعات معلوم نہیں تھے اور انھوں نے اس پر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا کہ ۲۱ سال کی ملازمت کے دوران میں میں نے ایسا واقعہ نہیں سنا۔ ان کے نزدیک یہ امر قابل یقین نہیں ہے کہ ریلوے کے اسٹیشنوں پر ہندوؤں کی بیعرتی رواج رکھی جاتی ہے اور بظاہر وہ میرے بیان کو بھی مشکوک سمجھتے تھے۔ لیکن جہاں تک اس خاص واقعہ کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ میں انھیں یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

ساڑھے نو بجے ہم دائسراے کی لیڈی میں گئے اور جوہنی لارڈ رین نے مجھے دیکھا معاً وہ ہاتھ ملتے ہوئے میری جانب بڑھے اور کہا کہ میں نے نظام سے گفتگو کی ہے اور میں اپنے تئیں خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ انھوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا ہے۔ لارڈ رین نے ٹھیک طور سے نہیں بتایا کہ دلی جذبات سے کیا مراد ہے تاہم مابعد کی ملاقات میں ان سے معلوم ہوا کہ بعض باتیں ایسی بیاں کی گئی ہیں جن سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ان کی خواہشات کے بارے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ انھوں نے اپنے خیالات کو نہایت زور اور قطعی فیصلہ کے ساتھ پیش کر دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ ان کی پیروی کرنی چاہئے۔ میں نے دیواں کا نام معلوم کرنے کے لئے صراحت نہیں کیا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سالار جنگ ہی ہوں گے۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ پر اس ملاقات کا اچھا اثر پڑا ہے؟ انھوں نے کہا کہ بلاشبہ وہ اپنی رائے رکھتے ہیں۔ لیکن میں نے انھیں ایسی باتیں سنائی ہیں جن کو وہ دوبارہ سننا پسند نہیں کریں گے۔ اور جو ان کے لئے مفید ثابت ہوں گی۔ لارڈ رین میرے ذریعہ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ خود نظام کی اس ملاقات کے بارے میں کیا رائے ہے میں غالباً کل معلوم کر سکوں گا +

”اس کے بعد میں نے مشیر دیوان کے تقرر کی تجویز پیش کی جس کا کام یہ ہو گا کہ حیدر آباد کے مفاد کے لئے کام کرے۔ میں نے

Stewart Bailey

Lambert-

Levee

۵۱

۵۲

۵۳

ساتھ ہی دفتر خارجہ کی پالیسی بھی بتادی جو وہ برار کے متعلق عمل میں لانا چاہتا ہے۔ لارڈ پرین نے میرے نقطہ خیال سے اتفاق رائے نہیں کیا۔ پھر کہا کہ کیا ہم اس طریقہ سے حیدر آباد میں اور زیادہ انگریز داخل نہ کر دیں گے؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ضرورت سے بہت زیادہ ہے میں اس سب کو نکال دینا چاہتا ہوں، میں نے جواب دیا کہ بلاشبہ سب کو نکال دیجئے۔ پھر میں نے کہا کہ یہ فرض منصبی مور کے سپرد کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ ایسا شخص ہے جو ہندوستانی اقوام کو پورے طور سے سمجھتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اور درحقیقت ان کی بھلائی چاہتا ہے۔

اس طریقہ سے ہماری گفتگو پندرہ منٹ تک ہوتی رہی۔ غریب کارڈری مجھے بھانپ رہا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ دائسراے کے مشیر کی حیثیت سے وہ میری پوزیشن کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس ملک میں سیاسیات کا انتظام کسی عجیب و غریب طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ میری جیب میں اخراج مصر کا حکم پڑا ہوا ہے گویا کہ میں مشہور و معروف باغی ہوں۔

۵۔ فروری — ہم چوکل نامی محل میں گئے۔ یہی وہ قدیم محل ہے جہاں تخت نشینی کے مراسم ادا کئے جاتے ہیں اور جہاں محبوب علی تخت نشین ہوئے۔ تمام شہر جھنڈیوں سے آراستہ تھا۔ ہم اس ہال میں گئے جہاں دربار منعقد کئے جاتے ہیں۔ یہاں امرا اور انگریز افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری نشستیں پہلے سے مخصوص کر دی گئی تھیں میں تخت سے ذرا دور بیٹھا لیمرٹ بالکل برابر تھے اور گورسٹ قریب تھے۔ گھنٹہ بھر کا وقفہ ہم نے رسول یار خاں اور سید حسین بلگرامی سے گفتگو کرنے میں گزارا۔ وہ دونوں خوش تھے اس لئے کہ گذشتہ رات کو دہلی کے اعلان ہو گیا تھا کہ سالار جنگ منیر الملک اور دیوان مقرر کئے جاتے ہیں اگرچہ آخر وقت تک یہ یقین کیا جاتا تھا کہ کارڈری اور دفتر خارجہ کامیاب ہوں گے۔

اس خبر نے بہت ابتری اور الجھن پیدا کر دی۔ بشیر الدولہ گاڑی میں بیٹھتے وقت غش کھا کر گر پڑے کیونکہ انھیں یہ خبر پہنچائی گئی تھی کہ ان کی کرسی خورشید جاہ کی کرسی سے بہت نیچے رکھی گئی ہے، اور اس لئے وہ سید گھر چلے گئے۔ لیکن سالار جنگ کی فتح کی تکمیل اس وقت ہوئی جبکہ وہ اور سعادت علی نظام کی معیت میں زرد پگڑیاں باندھے ہوئے پہنچے سالار جنگ کے چہری سے تمکنت ٹپکتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس اعزاز سے غیر معمولی طور پر متاثر نہیں ہوئے نظام اور دائسراے ایک ساتھ داخل ہوئے اور اپنے اپنے تخت پر بیٹھ گئے۔ مسٹر ہینڈرسن کے اعلان کے بعد لارڈ پرین نے نہایت عمدہ تقریر کی جو بہترین جذبات اور نصائح سے مملو تھی اگرچہ ذاتی طور پر مجھے ذرا ناامیدی ہوئی کہ انھوں نے اس امر کا ذکر کیوں نہیں کیا کہ نظام ہندوستانی مسلمانوں کے سر تاج ہیں۔ ممکن ہے کہ اسے نامناسب سمجھا گیا ہو۔ لارڈ پرین نے بلاشبہ سر سالار جنگ مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا اور انڈین گورنمنٹ کی جانب سے اس پالیسی کا اعلان کیا کہ نظام کی ریاست کے ساتھ اس کے تعلقات دوستانہ رہیں گے اور یہ کہ وہ اعلیٰ نظام سلطنت اور ترقی کی حمایت کوگی۔

Mr Henderson

۱۵

ایچ کا میرے دل پر اس قدر اثر ہوا کہ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ یہی حالت نظام کی تھی۔ ان کی جوابی تقریر کی آواز مجھ تک نہ پہنچ سکی۔ مگر انھوں نے اپنے وقار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ سب سے آخر میں فوٹو اتارا گیا۔ سالار جنگ، پیشکار اور خورشید جاہ کو تلواریں عطا ہوئیں۔ موخر الذکر کا قبضہ ہاتھی دانت کا تھا اسے دیکھ کر کاغذ تراش کی یا دتازہ ہو جاتی تھی مبادا وہ گھر جا کر خودکشی کرے کیونکہ وہ بہت ناراض تھا۔ لارڈ رین کی آواز دلکش ہے اور ان کی تقریر بالعموم وعظ کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہے جو اس موقع کیلئے نہایت موزوں تھی۔ میرا خیال ہے کہ سالار جنگ کا تقریر بالعموم پسند کیا جائیگا۔

یہاں سے ہم سنر کلارک کے مکان پر پہنچے جہاں کشنراچیف اور سرفریڈرک رابرٹس کے ساتھ ہم نے لچ کھایا۔ محل اور شہر میں جو چراغاں کیا گیا تھا، اس کی نظیر میں نے پیرس کے اتھانی عروج کے زمانہ میں بھی نہیں دیکھی۔ ڈنکے موقع پر ۲۰ اشخاص موجود تھے میں دفتر خارجہ کے مترجم اور ایرانی اتاشی کے پاس بیٹھا جن سے بہت دیر تک سبق آموز گفتگو ہوتی رہی۔ ان کی تعلیم پشاور کے مسیحی اسکول میں ہوئی ہے اور اس لئے وہ کسی قدر مذہب سے دور ہٹ گئے ہیں مگر باوجود اس کے وہ اچھے سنی ہیں۔ میں نے جنرل افغانا کے متعلق ان کی رائے پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ نہ اس وقت میں اس کے موافق تھا اور نہ اب وہ جنگ شیر علی کے روسیوں کے ساتھ سازش کرنے کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ سب مسلمان دل سے اس کے خلاف تھے اور اگر کوئی مسلمان یہہ کہدے کہ میں اس کے موافق ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ منافق ہے۔ ہندوستان کے مسلمان یہ حیثیت قوم وفادار رہے لیکن سب سب نہیں۔ انھوں نے ان کے باہمی تفرقات پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ آپ بہت مفید کام کر رہے ہیں کہ انہیں مجتمع کر رہے ہیں اگر وہ متحد ہو جائیں اور انھیں اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے تو گورنمنٹ مجبوراً ان کا کہا مانے گی۔ وہ میجر نیپیر کے ساتھ ایران جا چکے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ایرانی ایک نہ ایک دن روس کے جنگل میں پھنس جائیں گے۔ ان کی تعداد دن بدن کم ہو رہی ہے اتنے بڑے ملک میں ان کی تعداد صرف ۵۰ لاکھ ہے۔ برخلاف اس کے افغانستان زیادہ خوشحال ہے۔ میرے ہم ملکی انگریزوں کے علاوہ اور کسی سے دغا نہیں کرتے کیونکہ وہ اپنے جاسوس قرار دیتے ہیں۔

۶۰۔ فروری — فرید الدین کے پاس سے تار موصول ہوا جس میں الہ آباد کے مسلمانوں کی طرف سے نظام کو مبارکباد پیش کی گئی تھی۔ سالار جنگ کو میں نے خط لکھا ہے اور ان سے استدعا کی ہے کہ آپ نظام سے کہیں کہ وائسرائے سے یونیورسٹی کا تذکرہ کریں کیونکہ وائسرائے اور این متوقع ہیں کہ نظام از خود اس مضمون کو چھڑیں گے۔ اگر یہاں سرگرمی سے اس تحریک کو شروع نہیں کیا گیا تو پھر میں لکھنؤ کی جانب اپنی توجہ مبذول کر دوں گا۔ سرفریڈرک رابرٹس سے مصر اور ہمدی کے متعلق طویل گفتگو رہی۔ آج کے تاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکر کی فوج

Sir Fredrick Roberts- ۵۱
Attache ۵۲
Major Napier ۵۳
Baker ۵۴

بھاگ رہی ہے۔ بظہر خدیو کی کچھ فوج بھدی سے جالی ہے۔ یہاں کے حکام ہندوستانی افواج پر اسرار رکھے بیٹھے ہیں۔ میں نے متنبہ کر دیا ہے کہ نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ سب باشندے اس قسم کی کارروائی کو بہت بری نظر سے دیکھیں گے۔

شام کو بونارم میں وسیع پیمانے پر ضیافت تھی۔ لارڈ رین مجھے تنہائی میں لے گئے اور پوچھا کہ ملاقات کے متعلق نظام کے اصلی خیالات کیا ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کے وعظ کا نظام پر اچھا اثر پڑا ہے اور میرے استفسار کرنے پر خود نظام نے اظہار ہمتاں کیا ہے۔ نیز یہ کہ وہ یونیورسٹی سے بیحد لچپی لے رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سری نگر میں یونیورسٹی قائم کی جائے۔ واکسراٹے اس امر سے خوش ہیں کہ مسلمانان ہندوستان نے نظام کی تخت نشینی کے مسئلہ میں دلچسپی لی ہے۔ لارڈ رین کی خدمت میں۔ میں نے پھر یہ مشورہ پیش کیا ہے کہ شیردیوان کا تقرر کیا جائے جو ریزیدنٹ سے کسی قسم کا تعلق و واسطہ نہ رکھے۔ لارڈ رین سے اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے کل وقت مقرر ہوا ہے۔

سید حسین بلگرامی کی یہ رائے ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کبھی اس تجویز کو پسند نہیں کریگی۔ مزید برآں ایسے شخص کا ملنا دشوار ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ میں نے مور کا نام لیا۔ کہنے لگے کہ خود میری ان کے متعلق اعلیٰ رائے ہے لیکن حکومت ہند ہرگز راضی نہ ہوگی۔ میں نے کہا کہ لارڈ رین بہت سی ایسی باتیں کر سکتے ہیں جنہیں حکومت ہند پسند نہیں کریگی اور اس لئے میری رائے میں اس خیال پر قائم رہنا چاہئے۔ کارڈری کی ضیافت میں سید حسین کو دیکھ کر مجھے خوشی حاصل ہوئی۔ ابھی دو ماہ پیشتر کا ذکر ہے کہ کارڈری انہیں جلاوطن کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اور انہیں نوٹس بھی دے چکا تھا کچھ شک نہیں کہ کارڈری مشتعل ہے۔

”کرنیل ڈوبل کتے ہیں کہ دفتر خارجہ اسٹیشن کے خلاف ہتک عزت کے سلسلہ میں سرکاری کارروائی کی اجازت نہیں دے گا۔ البتہ عبدالحق بیج کے طور پر مقدمہ چلا سکتے ہیں۔ جدید ریلوے کے متعلق ان کا خیال ہے کہ اس سے نفع ہوگا۔ بمبئی گزٹ کے ایڈیٹر گیسری سے بھی دلچسپ بات چیت رہی۔“

لارڈ رین سے گفتگو کرتے وقت میں نے اپنی ناامیدی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اپنی تقریر میں اس حقیقت کی جانب کیون اشارہ نہیں کیا کہ نظام مسلمانان ہند کے سردار ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ وہ مسلمان رئیس ہیں تاہم ان کی ہندو رعایا تو ادین مسلمان رعایا سے کہیں زیادہ ہے۔ اس پر میں نے خاموشی اختیار کر لی۔

۷۔ فردری ————— لیچ کے بعد سرفریڈرک ابرٹس سے مصر میں انگریزی فوجی حالت کے بارے میں طویل گفتگو رہی۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ غلطی نہیں ہے کہ کسی ملک پر وہاں کے باشندوں کی مرضی کے خلاف خواہ مخواہ قبضہ جمایا جائے اور ان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہ کی جائے انہوں نے جواب دیا کہ ابتدائی جنگی اصول میں یہ امر داخل ہے کہ مخالفانہ جذبات

Colonel Dobles ۵۱
Bombay Gazette ۵۲
Leary ۵۳

رکھنے والے ملک کے حق الامکان قلیل ترین حصہ پر قبضہ رکھنا چاہئے اسی غلطی کا ارتکاب افغانستان میں کیا گیا۔ سب سے اچھی بات یہ ہوتی کہ باشندگان افغانستان سے کہدیا جاتا کہ تم اپنا حاکم منتخب کر لو اور اس طریقہ سے ان سے دوستانہ تعلقات قائم ہو جاتے لیکن حکام نے اپنا انتخاب کردہ شخص تخت پر بٹھایا اور اب وہ اسے تخت پر قائم رکھنے کے لئے وظیفہ کی ایک بہت بڑی رقم دینی پر مجبور ہوئے۔ میں نے کہا کہ خواہ کتنے ہی وظیفے کیوں نہ دئے جائیں تو فیتق تخت مصر پر قائم نہیں رہ سکیگا انھوں نے پوچھا کہ عربی نے ہنر سونیر کی مدافعت کیوں نہیں کی۔ میں نے جواب دیا کہ ان کا خیال تھا کہ انگریزوں سے صلح کر لیں گے مزید برآں وہ تمام یورپ کی دشمنی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ مصر پر قبضہ رکھنا دشوار ہے کیونکہ شام سے اسپر بآسانی حملہ کیا جاسکتا، لیکن میں نے اس خیال کے ساتھ اتفاق رائے نہیں کیا کیونکہ صرف ایک ہی راستہ ہے جہاں سے فوجیں گزر سکتی ہیں اور وہاں سے ان کا لیجانا آسان کام نہیں۔ میں سر فریڈرک کو پسند کرتا ہوں۔ وہ بے تکلفانہ اپنے خیالات کا اظہار کر دیتے ہیں مجھے ان کے اچھا سپاہی ہونے میں کچھ شبہ نہیں +

سہ ہر کو میر عالم کا تالاب دیکھنے کھلے گئے۔ کارڈری نے ہمارے راستہ میں بہت مشکلات پیدا کیں مگر چونکہ وائسرائے ہماری طرف ہیں اس لئے ہم چلے گئے۔ نظام بہت خندہ پیشانی سے ملے۔ سالار جنگ ایک دوروز اور قیام کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ ہم جھیل میں بہت دیر تک کشتی میں بیٹھے پھراکے۔ اس کے بعد فوٹو کھینچا گیا جیس میں عین وائسرائے کی کرسی کے پیچھے سالار جنگ اور کارڈری کے بیچ میں کھڑا ہوں۔ امین اور مسٹر وینسٹر گرانٹ ڈف نظام اور لارڈ پرین کے برابر بیٹھے ہیں اور وقار الامرا، سعادت علی، محمد علی بلٹ اور چند اور ایڈیکانگٹ سب سے پیچھے کھڑے ہیں۔ یہ فوٹو تاریخی ثابت ہوگا۔

۸۔ فروری۔۔۔۔۔ آج صبح لارڈ پرین نے مجھے بلو ابھیجا اور واقعہ پٹنہ پر گفتگو کی۔ میں نے کہا کہ معمولی طریقہ سے تحقیقات کرنے کے بجائے بہتر ہوگا اگر آپ اپنے کسی ایڈیکانگٹ (مثلاً وائسرائے پالین) کو خاص طور پر تحقیقات کے لئے مقرر کر دیں۔ انھوں نے اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں رگوناٹھ سے ملین اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ حکام ان سے خوش نہیں ہیں۔ انھوں نے ان کا پتہ لکھ لیا ہے۔ اس کے بعد گارڈن کے متعلق گفتگو ہوتی رہی جس کے بارے میں آج یہ تار موصول ہوا ہے کہ اسے ہمدی کی افواج نے گرفتار کر لیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں بغیر کسی خطرے کے ہمدی کے پاس جاسکتا ہوں اور ساتھ ہی اس شیخ کا ذکر کیا جو ہمدی سے خط و کتابت رکھتا ہے اور کہا کہ یہ شخص بھی ہمارا ہوگا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ گورنمنٹ آپ پر عتاب کی نظر رکھتی ہے اور اس لئے اندیشہ ہے کہ وہ آپ کی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھائے گی۔ لیکن میں آپ کی سفارش کر دوں گا بشرطیکہ میری رائے لی گئی +

سب سے آخر میں لارڈ پرین نے مجھ سے کہا کہ سالار جنگ سے کہد کہ جس قدر جلد ممکن ہو ملک کی مالیات کے بارے اعلان متاع کر دیں اور بتا دیں کہ کس قدر کمی ہے اور کس قدر قرض لینا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے مشورہ دیا کہ عبدالحق

Times of India ۵

سے بچاؤ نہ کریں اس لئے کہ انڈیا آفس اس کی پشت پر ہے اور اگر اس کی جانب سے غفلت کی گئی تو ممکن ہے کہ وہ خوفناک شخص ثابت ہو۔ یہ بہتر ہو گا کہ اسے کوئی عہدہ دیدیا جائے۔ (یہ بات پیغام میں شامل نہ تھی) دانشمندی اسی میں ہے کہ عبدالحق کا منہ بند کر دیا جائے۔ ریلوے کی اسکیم کے متعلق اُن کا خیال ہے کہ اس میں خسارہ نہیں رہیگا۔ سب سے آخر میں لارڈ رین نے کہا کہ سالار جنگ کو میری جانب سے یقین دلادو کہ جب تک میں ہندوستان میں ہوں ان کی برابری حمایت کرتا رہوں گا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کے چلے جانے کے بعد سالار جنگ اور رینرڈنٹ کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے تو ممکن ہے کہ اول الذکر آپ کو لکھیں۔ لارڈ رین نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اس مضمون کا کوئی پیغام نہ دیا جائے۔ بمقام کے بغیر وہ خود لکھینگے اور میں ہمیشہ حیدرآباد کی جانب اپنی توجہ مبذول رکھوں گا اور اگر وہاں خرابی پیدا ہو گئی تو مجھے اس کی خبر یقیناً کی جائے گی۔ مجھے خوشی ہے کہ یہاں آنے سے مجھے لوگوں سے واقفیت ہو گئی اور میں ریاست کے معاملات سے ہمیشہ دلچسپی لیتا رہوں گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا نظام نے آپ سے یونیورسٹی کا ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب انھوں نے اثبات میں دیا اور کہا کہ میں نے مشورہ دیا ہے کہ اس کی لاگت کا اندازہ کر لیں اور خواہ مخواہ ایک سخت ایسی کارروائی نہ کر بیٹھیں جس سے مالیات پر غیر معمولی دباؤ پڑ جائے۔ میں نے کہا کہ روپے کے مقابلہ میں ہمیں آپ کی سرپرستی کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس کے بعد میں نے ان کے مہربانی آمیز سلوک کا شکریہ ادا کیا اور جانے کی اجازت چاہی۔

واکسر اے اور گرانٹ ڈف آج مدراس جا رہے ہیں اور ہم بھی چند رکھاٹ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ کارڈری دو تین دن اور قیام کرے گا اور اس کے بعد تین ماہ کی چھٹی پر انگلستان چلا جائیگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ واپس نہیں آئیگا۔ ہم نے سید حسین بلگرامی کے ساتھ کھانا کھایا اور صورت حالات پر گفتگو کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے مالیات کے متعلق بیان تیار کر دوں گا اور جب قدرتی ہے اُس کو پورے طور پر دکھا دوں گا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمام کارروائیوں میں ایمانداری کو ملحوظ رکھوں اس لئے کہ یہی بہترین فیوہ ہو سکتی ہے۔ میں نے اس ارادہ کو پتہ کیا اور کہا کہ اتنا یاد رکھئے کہ حیدرآباد کی ریاست صرف اس لئے بچی ہوئی ہے کہ انگلستان کی پبلک اس کی حمایت پر ہے۔ ہندوستان کے دفتر خارجہ کی پالیسی غاصبانہ ہے اور اگر انگریزی رائے مخالف نہ ہوتی تو دفتر خارجہ کبھی کا برآزاد و خود مختار ریاست کو ہضم کر لیتا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ اپنی تمام کارروائیوں میں آپ حکومت ہند کے مقابلہ میں زیادہ ایمانداری برتئے۔ اور اسی میں آپ کی قرار واقعی حفاظت مضمر ہے۔ ریلوے کے متعلق انہوں نے کہا کہ اب کوئی چارہ کار نہیں۔ یہ صرف ریاست کو تباہ کرنے کی غرض سے ہمارے سرمنڈھی گئی ہے۔ اخراجات سے زیادہ آمدنی ممکن نہیں۔ مزید برآں ریاست کو مجموعی آمدنی کا دسواں حصہ یعنی ۳۳ لاکھ روپیہ سالانہ ۲ سال تک اس میں لگانا پڑے گا۔ یونیورسٹی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ راہ میں بہت سی دشواریاں حائل ہیں بہر حال انھوں نے میرے مسودہ کو پڑھنے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر یہ لوگ سرگرمی کے ساتھ کام نہ کریں تو اس صورت میں یونیورسٹی کہیں اور قائم ہونی چاہئے۔

چراغ علی سے ہمدی کے بارے میں بحث رہی۔ حاضرین میں سے بعض اس بنا پر ان کے مخالف تھے کہ ہمدی سلطنت عثمانیہ

India

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے عطر منگائے

سالار جنگ کی فرانسیسی گورننس میڈم آئل گیگ ناڈلٹن کے لئے آئیں۔ انھوں نے ریاست کی زندگی اور سیاسیات کے متعلق بہت سی عجیب و غریب باتیں سنائی ہیں۔ سر سالار جنگ مرحوم بہترین اور شریف ترین آدمی تھے۔ اپنی زندگی میں انھوں نے نہ کوئی بُرا لفظ استعمال کیا اور نہ کوئی غیر ایماندارانہ فعل ان سے سرزد ہوا۔ سب لوگ حتیٰ کہ اُن کے دشمن بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ امیر الکبیر نے جو ان کے سخت ترین دشمن تھے مرتے وقت انھیں بلایا اور اپنے بچوں کو ان کے سپرد کیا۔ جب میں نے سالار جنگ کی موت کے بارے میں سوال کیا تو کہا کہ مجھے اس بارے میں زرا بھی شبہ نہیں کہ انھیں زہر دیا گیا تھا۔ بدھ کے دن رات کے نو بجے تک انھیں کوئی شکایت نہ تھی۔ مگر اُس کے باوجود جمعرات کے دن شام کے سات بجے ان کا انتقال ہو گیا۔ منگل کے دن ریزیڈنسی میں دعوت تھی۔ ان کی علامتوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ انھیں ہیضہ ہو گیا ہے۔ قے بالکل نہ تھی سوائے اس کے کہ حلق میں انگلیاں ڈال کر انھوں نے ایک دو مرتبہ خود قے کر ڈالی وہ گلے اور سینہ میں سوزش اور پیاس کی شدت کی شکایت کرتے تھے۔ موت کے بعد ان کی رنگت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی دو انگریز ڈاکٹروں میں سے ایک کی رائے تھی کہ ہیضہ ہے اور دوسرے (بو مونٹ) کی رائے اس کے خلاف تھی۔ انھوں نے بتایا کہ زنان خانہ میں کس قدر بھاگ دوڑ چ رہی تھی اور یہ کہ دو مقدس آدمیوں کے دم کئے ہوئے پانی کا کس قدر استعمال کیا جا رہا تھا ڈاکٹروں کو تو تین بجے کے قریب اس وقت بلایا گیا جب کہ آس بالکل جاتی رہی تھی۔ وزیر موصوف کے سب رشتہ دار جمع تھے اور جب عورتوں نے ان کی وفات کی خبر سنی تو انھوں نے چلانا، بُرا بھلا کہنا، رونا پینا اور زمیں پر لوٹنا شروع کر دیا، اپنے زیوروں کو توڑ ڈالا اور اس قدر آپے سے باہر ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ پاگل ہو گئی ہیں۔ ایک ہفتہ تک کسی کو پورا ہوش نہ تھا۔

شام کا کھانا سالار جنگ کے یہاں کھایا۔ کوئی انگریز موجود نہ تھا۔ سب آپس ہی کے آدمی تھے۔ موجودہ سیاسی واقعات پر بہت دلچسپ گفتگو رہی۔ سالار جنگ نے بتایا کہ شہر کا انتظام اور چر اغان کا معاملہ سب میرے ہاتھ میں تھا۔ مجموعی خرچ ۲۲ ہزار سے زیادہ نہیں ہوا۔ حالانکہ خورشید جاہ کے سپرد شہر کے باہر کا حصہ تھا اور میرا خیال ہے کہ انھوں نے چار لاکھ روپیہ صرف کیا۔ کھانے کے بعد سالار جنگ سے پرائیویٹ گفتگو رہی۔ لارڈ پین کے پیغامات میں نے پہنچا دیے۔ انھوں نے سب پر عمل کرنے کی آمادگی ظاہر کی ہے میں نے انگریزی سیاسیات کی حقیقت سے انھیں آگاہ کر دیا اور درخواست کی کہ اگر نئی مشکلات پیدا ہوں تو انکی اطلاع مجھے دے دیں اور ساتھ ہی ان دستاویزات کی نقل بھیجیں جنہیں آپ پبلک کے فائدہ کے لئے شائع کرنا چاہتے ہوں انھوں نے ریلوے اسکیم کے متعلق معتدل الفاظ میں صدائے احتجاج معروض تحریر میں لانے کا وعدہ کیا ہے تاکہ نقصان کی ساری ذمہ داری انگریزی حکومت پر بھی رہے۔ بڑے بڑے انگریز مدبرین کی نسبت گفتگو رہی۔ ٹن کے وہ خصوصیت سے مداح تھے میں نے مشورہ دیا ہے کہ کسی پر اعتماد کرنے کی ضرورت نہیں۔

یونیورسٹی کے بارے میں وہ اب بہت سرگرم معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنی جیب سے چندہ دینے اور ریاست سے روپیہ دلانے

Governor

Madeleine Gaignand

کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن میں نے انہیں تنبیہ کر دی ہے کہ ریاست پر زیادہ مالی دباؤ نہ ڈالا جائے انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ سال تک کام کی ابتدا کر دی جائیگی اور اس وقت لارڈ رین ہندوستان ہی میں ہوں گے۔ آج کی گفتگو کے سوا سالا جنگ سے کبھی اس قدر صہنان سے گفتگو نہیں ہوئی +

اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ گارڈن کی نسبت جو اطلاع شائع ہوئی تھی وہ غلط ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ انہیں میری چٹھی وقت پر مل جائیگی اور وہ میری نصیحت پر کاربند ہوں گے + حالات سے تو جدید جنگ کی تمہید معلوم ہوتی ہے +

۱۱۔ فروری — سید علی شو ستری سے ہمدی کے متعلق گفتگو رہی۔ ان کا خیال ہے کہ وہ سچا ہمدی نہیں ہے اس لئے کہ ان کے ظاہر ہونے سے پیشتر سال تک مسلسل قحط نہیں پڑا۔ مزید برآں وہ یکایک حجاز سے ظاہر ہوں گے اور بلحاظ قومیت عرب ہونگے میں نے انہیں یقین دلایا ہے کہ وہ خالص عرب ہیں۔ بہر حال وہ اس سے متفق ضرور ہیں کہ اگر وہ ہمدی نہیں ہیں تو کم سے کم حامی المسلمین ضرور ہیں۔ وہ ہکس، مانکریف اور بکیر کی شکستوں سے بہت خوش تھے +

۱۱۔ فروری — محمد کامل چاہتے تھے کہ میں مسلمانوں کے جلسہ میں تقریر کروں۔ لیکن چونکہ وقت کم ہے اور ممکن ہے کہ کارڈری رخنہ انداز ہو اس لئے میں نے انکار کر دیا ہے۔ رسول یار خان کو میں نے صہار کے ساتھ یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ لارڈ رین اور چند دیگر انگریزوں کو شکریہ کا اڈر س پیش کریں کیونکہ انہوں نے ریاست کو تباہی سے بچا لیا ہے +

ہم نے پورنی کے محل میں کھانا کھایا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں نظام اپنی والدہ، اپنی دادی اور اپنی ایک بیوی اور بچوں کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے ہیں۔ چند انگریز بھی تھے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ شراب منیر پر رکھی گئی۔ اگرچہ نظام نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا تاہم یہ بدعت بہت خراب ہے۔ انگریزوں کی موجودگی کے باعث کھل کر بات چیت نہیں ہو سکی اور میرا خیال ہے کہ نظام کو نیندی آرہی تھی کیونکہ وہ صبح سے مختلف کاموں میں مشغول ہیں۔ سالا جنگ نے نہایت سرگرمی سے کام شروع کر دیا ہے اور اگر یہ سلسلہ قائم رہا تو سب معاملات دو باصلاح پر آجائیں گے۔ ہم اس کے بعد سب سے رخصت ہوئے نظام نے اپنا نوٹو بھیجنے کا وعدہ کیا ہے +

۱۲۔ فروری — یہاں سے ہم گلبرگہ پہنچے رسول یار خان دوسرے اسٹیشن تک ساتھ تھے۔ ہنڈرسن (خفیہ پولیس کا فہری) اسی ٹرین میں تھا۔ اس سے بھی حیدرآباد کے معاملات پر گفتگو رہی۔ اس کا خیال ہے کہ ریوے سے چند سال کے بعد نفع ہونا شروع ہو جائیگا۔ میں نے پوچھا کہ آخر انگلستان کی گورنمنٹ اس اسکیم پر کیوں زور دے رہی ہے۔ کہنے لگے کہ یہ سب بیزنگ کی

Hicks ۵۱

Moncreff ۵۲

Henderson ۵۳

کارروائی ہے گزشتہ اتوار کو سالار جنگ سے گفتگو ہوئی تھی اُس کے متعلق میرا خیال ہے کہ میں نے اسے تمام دکنال درج نہیں کیا واقعہ یہ ہے کہ جب شملہ میں لارڈ پین سالار جنگ مرحوم سے اذ سر نو خوش ہو گئے تو دوران گفتگو میں انھوں نے پختہ وعدہ کیا کہ اگر تمام معاملات درست حالت میں رہے تو جو بہی کہ نظام بالغ ہو جائیں گے صوبجات برابر واپس کر دئے جائیں گے اس وعدہ کی خبر دفتر خارجہ کو ہو گئی ہے اور وہی ان تمام تکالیف کا ذمہ دار ہے جو اس وقت سے لیکر اب تک رونما ہوئی ہیں +

نوجوان سالار جنگ کی یہ رائے ہے کہ ریلوے کی اسکیم پر اس لئے زور دیا جا رہا ہے تاکہ حیدر آباد کی مالی حالت بہتر ترتیب ہو جائے۔ ان کے والد کو خطرہ کا بخوبی احساس تھا، اور وہ صرف اس لئے شامل رہے کہ وہ ہندوستان کے دفتر خارجہ کا منہ بند کرنا چاہتے تھے کیونکہ انھوں نے کلارک سے کہا تھا کہ میں نے جان بوجھ کر سانپ کے منہ میں اپنا پیر ڈال دیا ہے لیکن میں ہر وقت اسے نکال لینے کی قدرت رکھتا ہوں، جو لوگ اُن سے اچھی طرح واقف ہیں وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حقیقتہً اسکیم کو کبھی پسند نہیں کیا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد سے کارڈری نے جس شد و مد کے ساتھ اس کو ترقی دینی شروع کی وہ اس قدر بدنام کرنے والی ہے کہ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ کارڈری بغیر بالائی احکام کے کارروائی کر رہا ہو۔ خود اُس نے مجھ سے اس حقیقت کا اعتراف کیا اور اگرچہ دفتر خارجہ پورے طور سے ریاست کو تباہ نہیں کر سکتا تاہم ایک حد تک اسے کامیابی نصیب ہو چکی ہے، اگر کارڈری لارڈ پین کو یہ ترغیب دینے میں کامیاب ہو جاتا کہ نظام کی بلوغت کی عمر کو دو سال تک کے لئے اور ملتوی کر دیا جائے تو ریاست کی مالی حالت اس قدر بدتر ہو جاتی کہ پھر اس کا سنبھلنا ناممکن ہو جاتا وہ اب صرف اس قدر کامیاب ہو گئے ہیں کہ لارڈ پین باوجود اپنی ایمانداری اور ہمدردی کے ہمارے بارے میں اپنا وعدہ و فائدہ کر سکے۔ کارڈری حیدر آباد چھوڑ کر جا رہا ہے مگر اس کی گرمی کا معاوضہ کسی اور جگہ مل جائیگا۔ اگر خود کارڈری مجھے اپنی کارروائیوں سے واقف نہ کرا دیتا یا اگر یہ تمام واقعات خود میرے سامنے ظور پزیر نہ ہوتے تو میں ہرگز اُن کا یقین نہ کرتا +

۱۳۔ فروری۔ صبح سویرے گلبرگہ کے گرد و پیش کے دیہات دیکھنے کے لئے وہ زیادہ خوشحال معلوم ہوتے ہیں۔

ایک گاؤں میں ہم نے پہلی مرتبہ یہ بات سنی کہ وہاں کوئی شخص مفروض نہیں ہے کیونکہ سب کے پاس کھانے کو بہت کچھ موجود ہے لوگ نمک کے محصول کے شاک میں ہیں۔ لگان آراضی مجموعی پیداوار پر ۲۰ فیصدی کے قریب ہے میں نے ہندو سب کے فہران کو یہ رائے دی ہے کہ لگان میں تخفیف کرانے کی کوشش کریں +

مولویوں کو یونیورسٹی کے بارے میں اپنا ہم خیال بنانے کے بعد ۳ بجے ہم عازم ممبئی ہو گئے +

نوٹ :- ایک قابل اعتماد ہندوستانی نے مجھے جس طول و عرض کا حال حسب ذیل الفاظ میں بتایا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا صوبجات برابر کو ہمیشہ کے لئے اپنے قبضہ میں رکھے وہوذا :- لارڈ پین کی سیاحت حیدر آباد کے ۱۲ سال بعد لارڈ کرزن نے حیدر آباد کی سیاحت کی جہاں محل میں ایک ضیافت کے موقع پر اس نے حکومت ہند کے لئے دائمی اجارہ پر صوبجات برابر کو حاصل کر لیا۔ نظام نے اپنے وہاں کے پاس خاطر کی غرض سے زبانی رضامندی کا اظہار کر دیا صبح کیوقت انہیں وعدہ یاد دلایا گیا، اور انہیں سخت سے اتار دینے کی دھمکی دینے کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اس معاہدہ پر دستخط قبضت کر دئے جسے ریفرنڈم نے ان کے سامنے رکھا یہ طریقہ صرف اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ لارڈ پین کا وعدہ جو سخت نشانی کے موقع پر چھایا گیا تھا فراموش کر دیا جائے اس قسم کی مثالیں بہت سی مل سکتی ہیں نظام نے اس

فارسی زبان

(آغاز اسلام سے اس وقت تک)

آفتاب اسلام کے طلوع کے وقت ایران میں نوشیروان عادل کی حکومت تھی، جو دولت ساسانیہ ایران کے آخری بادشاہوں میں ہے، اس بادشاہ کے زمانہ میں فارسی کی چار مختلف شاخیں ملک میں رائج تھیں، اور ان چاروں زبانوں کا وجود دولت ساسانیہ (۲۲۶ء - ۶۵۱ء) کی ابتدا سے چلا آتا تھا، اور یہ چاروں شاخیں فارسی قدیم سے نکلی تھیں، جو ایران کی قدیم ترین زبان تھی،

۱۔ **پاستانی** { یہ مذہبی زبان تھی جس میں مذہبی کتابیں لکھی جاتی تھیں، کتاب "استا" جس کے متعلق زردشتیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ان کے پیغمبر زردشت پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے، پاستانی زبان میں لکھی ہوئی ہے اس کتاب کا کچھ حصہ اب تک ایران، اور ہندوستان کے آتش پرستوں کے پاس موجود ہے، یہ کتاب مذہبی تعلیمات، فلسفی مضامین، علم حکمت، طبیعیات، قوانین مدینہ، مذہبی احکام، علم النیات، قصص، اور تاریخ وغیرہ پر مشتمل ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت فصیح زبان میں ہے، مگر بعض مقامات پر اس قدر مشکل، اور مخلق ہو گئی ہے کہ بغیر شرح دیکھے ہوئے مطالب حل نہیں ہو سکتے۔ آتش پرستوں کے علمائے اس کی ایک مفصل شرح لکھی ہے جس کو "زند" کہتے ہیں۔ یہ بھی پاستانی زبان میں ہے پاستانی زبان اہل علم کے حلقہ میں منحصر تھی، فارسی کی تین اور شاخوں میں جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ پاستانی کے بہت کم الفاظ مستعمل ہیں پاستانی موجودہ فارسی سے اس قدر مختلف ہے کہ اس کے مقابلہ میں بالکل ایک اجنبی زبان معلوم ہوتی ہے، مثال کے طور پر ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیے جو ہم کتاب اُستا سے نقل کرتے ہیں۔

سروش یشت ہا و دخت سروشم اشیم ہو ردوم ورت ترا جنم فراد
کیستم اشہ و تم اشہ ریم یرمیدہ - یو دینود سو دنیا اہماشہ، دنیا م
ویسہ ید اہور و فردا اشروہ -

اُستا کی اس عبارت کا مضمون قرآن کریم کی اس آیت سے ملتا ہے
قل من کان عدواً للجبریل فانه نزلہ علی قلبک باذن اللہ

مصدقہ قالمابیں ید یہ دہدی و بشری للموئین۔

یعنی جو لوگ (یہودی) جبریل کے دشمن ہیں۔ (تو ہو اکریں) بیشک جبریل نے خدا کے حکم سے قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے، دران حالیکہ یہ تصدیق کرتا ہے ایسی کتابوں کی جو اس سے قبل نازل ہوئی تھی۔ اور یہ قرآن ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان لانے والوں کے لئے۔

اس کے علاوہ کتاب اوستا کی بہت سی آیتیں اپنے مفہوم اور معنی کے لحاظ سے تورات انجیل اور قرآن شریف سے ملتی ہیں اسی بنا پر یہ خیال کیا گیا ہے کہ اوستا بھی ایک الہامی کتاب ہے۔

کتاب ژند جو اوستا کی شرح ہے جو ۲۱ جلدوں میں ختم ہوتی ہے۔ زرتشتی علمائے ژند کی بھی ایک نہایت مبسوط شرح لکھی تھی یہ سب مذہبی کتابیں اسطرح کے کتب خانہ میں محفوظ تھیں جس کو اہل فرنگ (Persians) کہتے ہیں اور اسی طرح اس وقت تک محفوظ رہیں جب کہ سکندر مقدونی نے دارا پرستشہ قبل مسیح میں فتح پائی اس نے تمام کتب خانہ پر قبضہ کر لیا۔ یونانی مورخین جن میں بلو طرخس بھی ہے بیاں کرتے ہیں کہ جب سکندر کا داخلہ پایہ تخت ایران میں فاتحانہ طریقہ پر ہوا تو وہ حالت سکر میں تھا اس نے شہر اور کتب خانہ کے جلا دینے کا حکم دیدیا۔ لیکن ایرانی مورخین لکھتے ہیں کہ صرن سکندر کی قومی عصبیت نے اسکو ناجائز فعل پر مجبور کیا تھا وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سکندر ایران سے صنعت و حرمت اور زراعت کی کتابیں ایران سے مقدونیہ میں لے گیا اور ان کا یونانی زبان میں ترجمہ کرایا۔ لیکن تمام مورخین کا خواہ وہ ایرانی ہوں یا یونانی اسپر اتفاق ہے کہ جب سکندر شہر جھوڑ کر نکلا تو اسے شہر کے جلا دینے اور کتابوں کے قیمتی ذخیرہ کے ضائع ہو جانے کا بڑا افسوس تھا۔

۲۔ درمی زبان { یہ ایک سرکاری زبان تھی بادشاہوں و وزیروں اور حاکموں کے درمیان یہی گفتگو کا ذریعہ بھی اس کا سلسلہ کیانی بادشاہوں تک پہنچتا ہے جب شکستہ قبل مسیح میں بہمن بن ہفندیار بادشاہ ہوا تو اس نے حکماء و علماء کی ایک جماعت کو جمع کر کے درمی زبان کے قواعد منضبط کرنے کا حکم دیا تاکہ پاستانی زبان سے مخلوط نہ ہو جائے۔ اور اسی طرح دوسرے زبانوں کے اختلاط سے بھی محفوظ رہے۔ چنانچہ علمائے اس حکم کی تعمیل میں قواعد وضع کئے، اور ایسے اصول مستنبط کئے جن کی وجہ سے درمی زبان نے ایک مستقل صورت اختیار کر لی اور عوام الناس کے غیر صحیح تلفظ اور محاورات سے محفوظ رہ کر مصنفین شعرا اور اہل موسیقی کی مخصوص زبان بن گئی۔ شاہی فرمان، احکامات، اور تاریخی اثرات جو پتھروں پر کندہ پائے گئے ہیں اسی زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔ یہ زبان تقریباً ۵۵۰ برس تک مستعمل رہی یہاں تک کہ ۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر مقدونی کا مشہور حملہ ایران پر ہوا۔

۳۔ پہلوی زبان { سکندر مقدونی اور اس کے خلفاء کا عہد حکومت ایران میں ۶۰ سال سے زیادہ نہ رہ سکا جب اسکی

سلطنت کا خاتمہ ہوا تو ایران میں طوائف الملوکی رونما ہوئی مختلف خاندانوں نے ایران کے صوبوں پر علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کیں۔ جن میں اشکانیوں کا خاندان سب میں زیادہ مشہور ہے۔

مرد زمانہ سے ایرانیوں کا استخراج کلدانی، آسوری، سیرانی اور یونانی اقوام کے ساتھ بڑھتا گیا اور ان کی زبان میں مختلف زبانوں کے الفاظ داخل ہوتے گئے۔ ۵۰۰ برس تک یہ حالت جاری رہی۔ یہاں تک کہ ایران کا تخت حکومت خاندان ساسانیہ کے قبضہ میں آیا۔

ساسانی دور حکومت میں ایران کے مشہور شہر آذرباجاں میں پہلہ نامی ایک زبردست عالم پیدا ہوا جو علم و حکمت میں بڑے فضل و کمال کا مالک تھا۔ اس نے دیکھا کہ فارسی مختلف زبانوں کا ایک مجموعہ بن گئی ہے، اس نے بڑی سعی و کوشش سے غیر زبانوں کے تمام غیر ضروری الفاظ فارسی سے خارج کر دیے اور اس زبان سے جس میں غیر زبانوں کے دخیل الفاظ کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ایک نہایت مہذب زبان تیار کی جو بہت مقبول ہوئی۔ اور واضح لغت کی مناسبت سے اس کو پہلوی کہنے لگے۔

اس واقعہ پر چند سال گزرنے کے بعد ساسانی بادشاہوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ملک میں مذہبی اور ادبی کتابیں بالکل مفقود ہو گئی ہیں۔ اور سب سے مقدس کتاب اوستا، اور اس کی شرح ژند کا بھی نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس تمام مذہبی اور ادبی ذخیرہ کی سکندر مقدونی تباہ کر چکا تھا اس لئے ان مقدس کتابوں کو از سر نو زندہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ بڑی تلاش و جستجو کے بعد اوستا اور ژند کا ایک ایک نام نہ نسخہ دستیاب ہوا۔ پھر ایک مجلس علمی قائم کی گئی جس کے متعلق اوستا اور ژند کی شرح کا کام کیا گیا۔ اس مجلس نے اوستا اور ژند کی مفصل شرح لکھی، جس کو پائرند کہتے ہیں۔ یہ شرح پاستانی زبان میں تھی، اور اس قدر شکل تھی کہ پاستانی جاننے والوں کو بھی سخت دشواریاں پیش آتی تھیں، لہذا پھر شاہاں فارس کے حکم سے ایک دوسری شرح پہلوی زبان میں لکھی گئی۔ جو ساتیر کے نام سے مشہور ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ایران میں تین زبانیں رائج تھیں ایک مذہبی زبان جسے پاستانی کہتے تھے، دوسری ملکی، جو پہلوی کہلاتی تھی، تیسری عام لوگوں کی زبان جس کا کوئی خاص نام نہ تھا۔ شعرا نے پہلوی زبان اختیار کی۔ اور کثرت سے اس زبان میں شعر لکھے گئے۔ ظہور اسلام سے دو صدی قبل کا کلام اس وقت تک موجود ہے۔ اور یہ اس امر کی ایک واضح دلیل ہے کہ پہلوی زبان ظہور اسلام سے پہلے ختم نہیں ہو چکی تھی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ آج کل بھی جو فارسی متعل ہے اس کے ہر دس الفاظ میں پانچ یا چار پہلوی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کا شعر ملاحظہ ہو جو کرمان شاہ کے قریب قصر شیراز میں خط ہمساری سے لکھا ہوا پایا گیا ہے۔

ہنر برابگیاں، نوشتہ بڑی جہان را بدیدار توشہ بڑی

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اے زبردست بہادر تو اس دنیا میں عزت اور وقار کے ساتھ زندہ رہ اور دنیا کو تیرے دیدار سے محض حاصل ہو۔ اس شعر میں ہنر برابگیاں، زبانی، جہاں، دیدار، یہ پانچ لفظ پہلوی زبان کے ہیں، اور اس وقت تک فارسی میں مستعمل ہیں۔

۴۔ دیہاتی زبان { یہ زبان قدیم زمانہ سے کوہستانی خانہ بدوش قبائل میں چلی آ رہی ہے۔ اس کی متعدد شاخیں ہیں جہاں تک کہ تقریباً ہر قبیلہ جو دوسرے سے علیحدہ رہتا ہے ایک جدا زبان استعمال کرتا ہے اور دوسرا قبیلہ اس لفظ، اور مخصوص محاورات و مصطلحات کو نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن باوجود ہزار ہا سال گزر جانے کے اس زبان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جس کا سبب یہ ہے کہ یہ خانہ بدوش قبائل چونکہ متمدن نہیں ہیں اور نہ کبھی انھوں نے متمدن دنیا سے کوئی تعلق رکھا اس لئے ان کی زبان بالکل محفوظ اور غیر متغیر رہی۔

یہ چاروں زبانیں جن کا ہم اوپر ذکر چکے ہیں، حقیقت میں قدیم ترین فارسی کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور ان سب کا ماخذ ہی پُرانی زبان ہے، اصل لغت، اور قواعد صرف و نحو کے لحاظ سے بھی ان میں اشتراک پایا جاتا ہے جو وحدت اصل کی دلیل ہے۔

عربی زبان کا فاتحانہ ریلاب { ایران پر عربی تسلط کے بعد فارسی زبان میں صنف پیدا ہونے لگا۔ عرب فاتحین جن میں مذہبی اور قومی عصبیت بدرجہ کمال پاکی جاتی تھی۔ فارسی اور اس کے علوم و فنون سے نفرت کرتے تھے اور چونکہ تقریباً تمام ایران نے اسلامی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے انھیں خود عربی سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ جو علاوہ مذہبی زبان ہونے کے فاتحین کی زبان بھی تھی، اہل فارس نے عربی علوم و فنون جس سعی و کوشش سے حاصل کئے اور زل کو ترقی دی اس کے ثبوت میں اسلامی تاریخ کے صفحات ہمیشہ پیش کئے جاسکتے ہیں۔ عجم نے یہاں تک عربی زبان میں کمال حاصل کیا، اور ایسے زبردست مصنفین اور ارباب تحقیق ان میں پیدا ہوئے کہ خود عربوں میں ان کی مثال نظر نہیں آتی،

عرب چونکہ کسی خاص تمدن کے مالک نہ تھے، بلکہ ظہور اسلام سے قبل جزیرہ عرب میں نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے جب انھوں نے ایران پر قبضہ کیا، اور ایرانی تمدن، اور اہل فارس کے عیش تنعم سے واقف ہوئے تو رفتہ رفتہ وہی ایرانی تمدن میں جذب ہوتے گئے، یہاں تک کہ عباسی خلافت بالکل اکاسرہ فارس کی نقل نظر آتی تھی۔ آداب معاشرت و صنع، لباس، کھانا، دربار کی شان، غرض ہر شعبہ زندگی میں اہل عجم کا تمدن بالکل نمایان نظر آتا تھا۔ فاتحین اور مفتوحین کا یہ اختلاط فارسی زبان کے لئے نہایت نفع ثابت ہوا، فارسی کی کس مہر سی اہل ایران میں

عربی علوم و فنون کا بشوق، دربار میں ایرانیوں کا دخل، یہ سب اسباب تھے فارسی کے زوال اور انحطاط کے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی الفاظ اس کثرت سے فارسی میں داخل ہوئے کہ اصل زبان کا لطف بالکل مفقود ہو گیا۔ اگرچہ اس انحطاط سے عربی زبان بھی محفوظ نہیں رہی، اور اس میں فارسی کے دخیل الفاظ کثرت سے مستعمل ہونے لگے۔ لیکن عربی چونکہ فاتح قوم کی زبان تھی اور اس کی قدر تھی، اس لئے وہ فارسی میں جذب نہیں ہوئی بلکہ فارسی کو اپنے اندر جذب کر لیا،

یہ عربوں کے فتح و استعمار کی ایک خصوصیت تھی، کہ جس ملک پر وہ قبضہ کرتے تھے وہاں کی زبان بھی کچھ عرصہ کے بعد یا تو بالکل مبدوم ہو جاتی تھی، یا اس میں عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہو جاتے تھے، کہ سوائے ضما و رد و رابط کے زبان میں اور کچھ باقی نہیں رہتا، شام، مصر، تونس، الجزائر اور مراکو کی زبانیں عربوں کے فاتحانہ سیلاب کے سامنے قائم نہ رہ سکتی، اور فارسی باقی رہی مگر برائے نام، فارسی زبان پر عربی تسلط اس درجہ سرعت کے ساتھ ہوا کہ ظہور اسلام سے دو صدی بعد خلیفہ مامون (۱۹۷ھ - ۲۱۸ھ) کی مدح میں عباس مرزونی دربار میں ایک قصیدہ پڑھتا ہے جس کے مطلع میں سات عربی لفظ پائے جاتے ہیں۔ مطلع یہ ہے۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرق قدین گسترانیدہ بجو دو نضل در عالم یدین

شعرا فارس میں اگرچند ہستیاں ایسی نہ پیدا ہوئیں، جنہوں نے فارسی کی بقا کے لئے اپنے کلام میں حتی الامکان عربی الفاظ کا استعمال نہیں کیا، تو موجودہ صورت میں بھی فارسی کا باقی رہ جانا دشوار تھا۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی (متوفی ۵۷۰ھ) کی ہے جس نے شاہ نامہ کے ساتھ ہزار شعروں میں بہت کم عربی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ (ماخوذ)

ابوالحسن محمود علی خاں

اردو زبان کا ایک جدید و بیضط لغت

نور اللغات جس کی ترتیب پر گورنمنٹ کی طرف سے فاضل مولف کو چھ ہزار روپیہ کا انعام ملا ہے اس لغت میں ایک ایک لفظ کے مختلف معانی سے ماہرانہ گفتگو کی گئی ہے۔ اور اسامندہ کا کلام سدا پیش کیا گیا ہے اس کو امیر اللغات کا سلسلہ سمجھنا چاہئے۔ حرف خ تا گ کے لغات دو جلدوں میں درج ہو چکے ہیں، آئندہ جلدیں زیر طبع ہیں۔ جلد اول علی (مجلد) غلہ (غیر مجلد) علاوہ محصول۔ جلد دوم مٹہ (مجلد) مٹہ (غیر مجلد) علاوہ محصول۔ ہر فرمائش کیساتھ چوتھائی قیمت آنا ضروری ہے۔ نیچر نگار لکھنؤ

دین مسیحی یا آفتاب پرستی

جناب مخدوم و مکرم بندہ۔ اسلام علیکم
آپ کا یہ پُرانا نیاز مند اس کو کسی طرح پسند نہیں کرتا کہ ایک لٹریچر اور تاریخی رسالہ میں
مذہبی بحث کو چھیڑا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ جب ایک مرتبہ یہ بحث چھیڑ جائے
خاص کر غیر مسلم کی طرف سے تو اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے اس کے معنی کمزوری کے ہیں۔ کسی عیسائی
کے سوالات کے جواب جس خوبصورتی سے آپ نے دئے ہیں وہ آپ کے لئے قابل مبارکباد ہیں خدا کرے
آپ کو علماء ملت کی طرف سے کفر کا سرٹیفکیٹ مل جائے

غرض کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بہت مزے کی بحث نگار میں چھیڑ گئی ہے اب جی چاہتا ہے کہ کیسے
چھیڑا جائے۔ اس سے چلے جائے۔ اس میں ایک مضمون خدمت گرامی میں بھیجتا ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ
یہ بہت طویل ہے مگر اس کے ساتھ ہی نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ مصنف کا مقصود صرف یہ ہے کہ
مسیحیت حقیقت میں آفتاب پرستی ہے۔ نیز یہ کہ اس کے تمام اصول مذہبی آفتاب پرستوں سے ماخوذ
ہیں۔ انھوں نے بہت خوبصورتی کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے۔ شروع شروع میں تو یہ بہت ہی خشک
معلوم ہوتا ہے۔ مگر جیسے جیسے آگے بڑھتے اس کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ بہر حال جیسا بھی کچھ ہے میں نے
اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اور آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اگر (۱) آپ کو یہ پسند ہو اور (۲) اس کے
طویل ہونے سے آپ نہ گھرا جائیں تو اس کو نگار میں شائع کر دیجئے۔ (بشرطیکہ آپ اس مضمون کو
پسند فرمائیں) آپ پر کفر کا فتویٰ پاس ہو جائے۔ میں نے اپنا تو کچھ نہ کچھ دفعیہ کر لیا ہے۔

نیاز مند قدیم

محمد خلیل الرحمن

۱۔ ذیل کا مختصر مضمون ایک جرمن محقق کے صحیح دماغ کا نتیجہ ہے۔ راقم نے اس میں سوائے اس کے اور کچھ تصرف نہیں کیا ہے کہ اس کو
ہندوستانی لباس پہنا دیا ہے اگر اس میں کوئی بات آپ کے خلاف مزاج ہو تو اس کا ذمہ دار اور جوابدہ راقم کو قرار نہ دیا جائے
گو اس کو اس کا اعتراف ہے کہ ہندوستانیوں کے قول و فعل کے مطابق ہر مترجم جاہل ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب
”سورسز آف کریسٹینٹیٹی“ (نیایع المسیحیت دیکھنا زیادہ مفید ہوگا۔)

آدم کا بہشت سے نکالا جانا زمانہ قدیم کے لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تعذیب و تمدن خدا کے ارادہ کا براہ راست نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا شیوع محض، بطور حادثہ یا اتفاق انسان کے ان ترے کے برے استعمال کا نتیجہ ہے جو اُس کو خدا تعالیٰ نے عطا کئے تھے۔

یہ کہنا چاہئے کہ عورت نے مرد کو اپنے اصلی اور صحیح کام سے فریب دے کر غافل کرایا کہ اس کو نیکی اور بدی کی تمیز بتلا دی اور اس کو تمدن مخلوق بنا دیا۔ آدم کے گناہ سے جہاں خوشی اور اطمینان گیا وہاں زندگی بھی خراب گئی۔

امید نجات لیکن یہ امید کی جاتی تھی کہ یہ حالت ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ زندگی جو اس قدر سخت اور تکلیف دہ ہے صرف آزمائش ہے جو جلد ختم ہو جائیگی۔ ان کا خیال تھا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ بھڑیا ایک بھیڑ کے بچے کے ساتھ بیٹھا رہیگا، بڑے بڑے سرکش لوگ، ضعیفوں پر رحم کریں گے اور غریبوں کو ظلم سے بچائیں گے۔

صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں کہ مصیبت زدہ انسان اپنے اسی دہو کے میں رہا کہ دیوتاؤں کی مدد سے اُن کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائیگا، انسان کو آخر کار خوشی و سرور نصیب ہوگا اور اس کی وہی کیفیت ہو جائیگی جو ابتداً زندگی میں تھی کہ جس کو وہ سنہرا زمانہ کہتا تھا۔

نجات دہندہ کا انتظار خیال و عقائد یہ تھا کہ دیوتا زمین پر نہیں آئیں گے، بلکہ وہ کسی کو بھیجینگے جو ان کی طرف سے بولے گا اور اُن ہی طرف سے کام کریگا باجملہ وہ اُن کا قائم مقام ہوگا۔

ایشیا کے بہت سے بادشاہوں، مثلاً اشور بنی پال بادشاہ نینوہ، اور سائرس بادشاہ ایران، نے یہ دعویٰ کیا، یا ان کی رعایا ان کی نسبت یہ حسن ظن رکھا کہ دیوتاؤں نے اُن کو اس لئے اپنا برگزیدہ کیا ہے کہ وہ خوشی و سرور دنیا میں لے کر آئیں گے۔

اسی طرح بنی اسرائیل کی کئی نسلیں کسی ایسے آدمی کی امید میں بیٹھی رہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ اٹھائیگا۔ چنانچہ یہ غریب موسیٰ کو لیکر بھیجی تاکہ اسی امید کے سہارے جیتے رہے۔ موسیٰ نے تو ان کو فرعوں سے رہائی دلائی، مگر یحییٰ نے اُن کے لئے کچھ نہ کیا گو انھوں نے اُن کی بجائے کوٹا پناہیسا، سمجھا جب یسوع آئے تو یہودیوں میں سے بہت ہی کم آدمیوں نے ان کو پہچانا۔ یہی لوگ کہ سچیں، کہلائے۔ یسوع اگر تاریخی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یسوع کے متعلق جو کچھ بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے وہ بہت ہی چھوٹی سی بات ہے، اتنی

۱۷ تاریخ کا زمانہ بہت طویل سمجھا گیا تھا۔ برس کے چار موسم سنہرے، چاندی، تانبے اور لوہے کے رنگ کے تھے۔ عقائد یہ تھا کہ یہ زمانہ لوہے کے رنگ کا ہے اور قریب الختم ہے۔ سال آئندہ کے موسم بہار سے سنہرا زمانہ شروع ہوگا اور اسی کا سخت انتظار ہے۔ ۱۸ ہکلز، زمیں کی کتاب مسیحیت و بائبل (مطبوعہ برلن ۱۹۰۳ء) صفحہ ۳۸۰۔ ابتدائی عیسائیوں کے قول زریں کے موافق یحییٰ مسیح کے بشر تھے۔ ۱۹ لفظ کراسٹ (جس کا ترجمہ یسوع) کیا جاتا ہے اصل میں یونانی لفظ ہے۔ یہ لفظ عرانی لفظ مسیحا کا ترجمہ ہے۔

چھوٹی کہ اُن کی ہستی ہی معرض شک و شبہ میں پڑ جاتی ہے۔ یہ شک و شبہ باوجود ہر قسم کی تحقیقات، کے اب تک جو رکاتوں چلا آتا ہے اور یسوع کوئی تاریخی آدمی قرار نہیں پاتے۔ مگر خیر۔ ہم اُس کو تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ اس دنیا رکون و فساد میں موجود تھے۔ شاید اس قدر فرض کر لینا بھی صحیح نہ ہو مگر غالب خیال یہ ہے کہ وہ موجود تھے۔ یہ فرض کر لینے کے بعد کہ وہ موجود تھے ان کی سوانح حیات چند فقروں میں ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ ناصروہ، واقع گلیلی میں پیدا ہوئے؛ ان کے والدین کارگیر یا دستکار تھے؛ اُن کے کئی بھائی اور کئی بہنیں تھیں وہ ان سب میں بڑے تھے۔ تیس یا پینتیس برس کی عمر میں ان کو اس جرم میں قتل کر دیا گیا کہ اُنھوں نے اپنے زمانہ کے صحاب بست و کشاد کے خلاف کچھ کہہ دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوبصورت آدمی تھے اور جو کچھ کہتے تھے اس کا اثر ان کے سامعین یا ملنے والوں پر بہت پڑتا تھا۔ ان کا نصب العین یہ تھا کہ کسی طرح وہ سنہرے زمانہ کو دنیا میں پھر لے آئیں۔ مگر جب ان کو یقین ہو گیا کہ اس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے اور وہ قتل کئے جانے والے ہیں تو ان کو اسی میں سلامتی معلوم ہوئی کہ وہ اپنے معتقدین سے یہ کہہ جائیں کہ میں بہت جلد اس دنیا میں پھر آؤں گا اور اس وقت وہ سنہرا زمانہ لے کر آؤں گا۔ جس کے لانے کے لئے میں کو شمش کر تار ہا ہوں، مگر کامیاب نہیں ہوا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کا یہ دلی خیال تھا۔ چنانچہ لوقا ۲۱-۲۳ میں ہے کہ ”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ تمام باتیں نہ ہوں یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی۔“ (لوقا ۲۱-۲۳)

مگر یہ نسل بھی گزر گئی اور تمام باتیں پوری نہیں ہوئیں۔

اب اس سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ اگر اس زمانہ کے لوگ بجائے معتقدات کے عقل سے کام لیتے تو یسوع کی زندگی کے پچاس برس بعد ایک بھی عیسائی دنیا میں نظر نہ آتا کیونکہ جو وعدہ اپنی داہپی کا اُنھوں نے تقدی کے ساتھ کیا تھا وہ اب تک پورا نہیں ہوا۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے موجودہ زمانہ کے ذی ہوش آدمی مسیحائی آمد کے منتظر ہیں۔ کلیسا اب تک یہی کھلاتا چلا آتا ہے کہ خدا نے یسوع کے جسم میں حلول کر لیا ہے۔ وہ ایک مرتبہ دنیا میں آچکے ہیں اور ایک زمانہ نامعلوم میں پھر آکر تمام بنی آدم کا انصاف کریں گے اور ان کے افعال کے موافق اُن کو انعام یا سزا دیں گے

خدا کے انصاف کی یہ امیدیں ہم کو انجیل ہی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ انجیل، بلکہ صحیح طور پر اناجیل، یسوع کے سو برس کے بعد لکھی گئیں، اور وہ بھی اس لئے کہ ان کی ہستی کا ان لوگوں کو یقین دلایا جائے جو ان کو مانوس میں مل کر رہتے تھے

اناجیل

۱۵ اس کے متعلق گنگے برٹ نے اپنی کتاب ”مختصر تاریخ مسیحیان قدیم میں بہت ہی مختصر دلائل دئے ہیں (صفحہ ۱۵۷)

۱۶ صلیبیت یہ ہے کہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کلیسا نے صرف چار انجیلوں کو صحیح مانا ہو کہتے ہیں کہ یہی چار الہامی یا صحیح ہیں باقی فضول وضعی یہ چار کس طرح صحیح قرار پائیں؟ یہ قصہ نہایت دلچسپ، مگر بیان اسے بیان کرنا بے محل ہے سوال یہ ہے کہ چار کیوں صحیح قرار دی گئیں۔ سینٹ ایرینیوش کہتے ہیں کہ دنیا میں چار موسم چار ہی ہوائیں اور زمین کے چار ہی کونے ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک ستون کی ضرورت ہے اس کے متعلق آگے ملاحظہ ہو

۱۷ ابتدائی عیسائیوں نے یسوع کی سو انجمری اس واسطے نہیں لکھی کہ وہ ہر لحظہ اُن کی داہپی کے منتظر تھے۔

یسوع کے دنیا سے اٹھ جانے کے سو برس بعد اہل دنیا کو اس کا علم ہوا کہ وہ کیا تھے اور کون تھے۔ یہ ضرور تھا کہ کسی کسی کو یہ بات یاد تھی کہ وہ بہت نیک دل آدمی تھے۔ نیز یہ کہ انھوں نے اپنی زندگی کو اپنے ان مختصر اصول پر قربان کر دیا جو ان کے نزدیک بہترین تھے ان کو بہت ہی عزیز تھے۔

اُن سے پہلے جن لوگوں نے اپنے آپ کو نجات دہندہ بتلایا، یا لوگوں نے قرار دے لیا اُن میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو قربان کر ڈالنے کی ایسی مثال نہیں دکھائی جیسی کہ یسوع نے۔ یہی وہ چیز تھی جس کے ذریعہ سے انسانوں نے ان میں وہ نشانیاں دیکھیں جو اُس شخص میں ہونی چاہئیں جس کا مددگار مدد سے انتظار تھا۔

یسوع بطور مسیحا کی عقیدہ یہ تھا کہ یسوع کے تشریف لانے سے پہلے ان کے پیش رو لوگوں نے جو فوق العادت باتیں دکھائی تھیں وہ صرف اس لئے تھیں کہ دنیا کو اُن کے لئے تیار کر رکھیں، تاکہ جیسے ہی وہ آئیں تمام دنیا اُن کو پہچان لے۔ یسوع کو چونکہ لوگ نجات دہندہ سمجھتے تھے اس لئے لازمی منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ وہی مسیحا ہیں اور وہ پُرانے پیغمبروں سے زیادہ معجزات دکھلا سکتے ہیں۔

موسیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک صحرا میں بطور خرق عادت پیٹ بھر کر کھلایا تھا، اس لئے یسوع نے بھی ایک جم غفیر کو جو ان کا وعظ سننے آئے تھے، بطور خرق عادت پیٹ بھر کر کھلایا۔

اس زمانہ کے لوگوں کو بچا عقیدہ تھا کہ جب سنہرا زمانہ دنیا پر آئے گا تو اندھوں کو نظر آنے لگیگا، گونگے گانے لگیں گے، لنگڑے خرگوشوں کی طرح بھاگنے لگیں گے اور مردے زندہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب سنہرا زمانہ لے کر یسوع آگئے تو ان ہی اندھوں کو گونگوں کو اچھا کر دیا اور مردوں کو اٹھا بٹھایا۔

ایک اور بچا عقیدہ یہ تھا کہ وہ سنہرا زمانہ اپنے ساتھ پورا انقلاب لیکر آئیگا اور دنیا کے رسم و رواج میں پوری تبدیلی ہو جائیگی، اسی وجہ سے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ یسوع نے صحیح یا غلط یہ کہہا ہے کہ اول آخر ہو جائیگا اور آخر اول خاص کر اس بادشاہت میں جس کو وہ سمجھتے تھے کہ میں قائم کرونگا۔

سب جانتے ہیں کہ یسوع ناصروہ میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن پرانی روایات کے موافق جو بنی اسرائیل کے ذریعہ سے ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں، مسیحائیت اللہم میں پیدا ہونے والے تھے، کیونکہ بیت اللحم داؤد کی پیدائش کی جگہ تھی اور داؤد بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ تھے۔ چونکہ مسیحا وہ شخص تھا کہ جو بنی اسرائیل کو سلطنت روم کے ظلموں سے بچانے والا تھا جس طرح کہ داؤد نے فلسطین میں

۱۰ عام اعتقاد یہ تھا کہ چونکہ یسوع مسیحا ہیں اس لئے ان کا کام یہی ہے تھا کہ عجز سے دکھلائیں (ای ہیوٹا جلد چارم صفحہ ۱۰)

بچایا تھا۔ اس لئے اگر وہ پیدا ہو گا تو بیت اللحم میں ہی ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ انجیل کے مصنف یہ کہتے ہیں کہ یسوع یعنی مسیح بیت اللحم ہی میں پیدا ہوئے تھے (ناصرہ کا ذکر ہی اڑ گیا)۔

نجات دہندہ اور سو بچ دیوتا

میں ادھر یہ کہ چکا ہوں کہ یسوع کے انتقال کے سو برس کے بعد نابیل لکھی گئی ہیں۔ فرض کیجئے کہ نبولین کی بابت اب تک کسی کو کچھ نہ معلوم ہوا اور آج کوئی اس کی سوانح عمری لکھنے بیٹھ کر نظر آ رہے کہ اس سوانح میں نابیل قصہ کہانی کا بڑا حصہ ہو گا اور یہ بھی اس حالت میں کہ ہم خلاق دہمہ سے تو غرض نہیں رکھتے خاص کر دہمہ خلاق دہمہ جو دیوتاؤں کے متعلق کام کر چکا ہے اور بہت سوں کو دیوتا بنا چکا ہے۔

پھر اس کا تصور کیجئے کہ آج سے بیس صدی پیشتر لوگوں کا گروہ ارض کی نسبت کیا خیال تھا۔ یہ بھولے بھالے لوگ یہ سمجھتے تھے یہ دنیا ایک مکس ہے، اس کا پچلا حصہ زمین ہے ڈھکنا آسمان ہے اور پہاڑ اس کے ہر چار اطراف ہیں اس دنیا میں جو اس طرح محدود ہے، ہر چیز ایک دوسرے سے وابستہ ہے آسمان زمین کا آئینہ ہے انسان جو زمین میں رہتا ہے وہ ان دیوتاؤں کی تصویر ہے جو آسمان پر رہتے ہیں۔ مظاہر قدرت جو ظاہر ہوتے ہیں ان میں اور انسان کے افعال میں گہرا تعلق ہے۔ اس لئے انسان کی خوشحالی و بد حالی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جو موسموں کو بدلتا ہے۔

زمانہ حال میں ہم کہتے ہیں کہ بارش ہو رہی ہے یا دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک طاقت بارش کرتی ہے اور دوسری دھوپ نکالتی ہے۔ ہمارے نزدیک تو دھوپ کا نکلا ہونا بارش کا ہونا۔ سردی یا گرمی کا موسم، ایسے الفاظ ہیں جو ہمارے محسوسات کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن زمانہ قدیم کے لوگ ان مظاہر قدرت کو قادر مطلق مانتے تھے۔ آفتاب اور دھوپ کا نکالنا یہ خدا کا کام تھا اور ہوا اور طوفان شیطان کا۔

خدا جب کبھی زمین پر اترے گا تو وہ عام طور پر انسانی صورت میں اترے گا، نہایت خوبصورت جوان ہو گا۔ کیونکہ اس کے سارے کام اچھے اور خوبصورت ہیں۔ وہ عالم شباب میں مرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھے دن جلدی ختم ہو جاتے ہیں۔ دوسرے سال یہ خدا پھر جی اٹھیکے گا۔ پھر مرے گا اور پھر جی اٹھیکے گا۔ وہ ہم جبراً۔ یہ نہ جوان سو راج دیوتا ہمیشہ تمام دیوتاؤں سے زیادہ خوبصورت ہو گا۔ عورتوں کا یہ خاص طور پر محبوب ہو گا۔ شدہ شدہ یہ دیوتا بھی قریباً اسی عمر میں جب میں کہ یسوع نے وعظ شروع کیا تھا وعظ کرنا شروع کرے گا۔ یہی وہ دیوتا ہوتا ہے جسکو مذہب دنیا دیوتا مانتی ہے۔ مصر قدیم میں اسی قسم کا دیوتا اوسی اس تھا، ایرانی اسے تھر کہتے تھے۔ شام میں سکنا

۱۱۔ عربوں نے صرف نبولین کا نام ہی سنا ہے یا اس کی کچھ اور حکایات انھوں نے اس کے متعلق سیکروں قصہ کہانیاں بنا رکھی ہیں۔

۱۲۔ شیطان کا ہمیشہ سانپ یا ڈوہا یا کسی اور درندے کی شکل میں ظاہر ہونا کہا جاتا ہے دیکھئے صفحہ ۱۲

۱۳۔ تفصیل کے لئے ماہ اپریل کا رسالہ ملاحظہ فرمائیے

۱۴۔ ہر کے معنی ظاہر ہیں کہ سو بچ کے ہیں۔

اڈونس تھا، ایشیا کو چاک میں اے ٹس کہلاتا تھا، یونانیوں نے اس کا نام بیکیپس رکھا تھا سو اسے چند مخصوص باتوں کے جو چند اہمیت نہیں رکھتیں یہی ایک دیوتا ہے، جو مختلف ناموں کیساتھ پوجا جاتا تھا۔

ایک اہم واقعہ یا درکھنے کے قابل ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سورج دیوتا کے متعلق جو قصے کہانیاں مشہور ہیں وہی زمانہ قدیم کے بڑے آدمیوں پر منطبق ہونے چاہئیں اور ہوتے ہیں۔ اگر اس کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات آسان ہی رہ جاتی ہے کہ جس نجات دہندہ کا انتظار ہے چونکہ وہ نسل انسانی پر ویسا ہی اثر انداز ہوگا، جیسا کہ آفتاب دنیا پر، اس لئے اس نجات دہندہ اور سورج دیوتا کو ایک ہی آدمی قرار دے لینا نہایت ضروری ہے! یا یوں تبدیل الفاظ یوں کہنا چاہئے کہ نجات دہندہ فی حقیقت سورج دیوتا کا سروپ ہے۔ اقوام بایدہ نجات دہندہ کے ویسے ہی منتظر اور ویسے ہی اسیدوار تھیں جیسے کہ شعرا و موسم بہار کے۔

باقی ————— باقی

محمد خلیل الرحمن

مترجم اخبار الاندلس وغیرہ

اصلاح سخن

ترتیب و موضوع کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب جس میں جناب شوق سندیلوی نے اپنی پچھلی غزلوں کو معہ ان تمام اصلاحوں کے یکجا کر دیا ہے جو مشاہیر شعراء نے دی تھیں۔ ایک ہی وقت میں ایک ہی شعر پر اساتذہ فن کے مختلف و متضاد رائیں اور ان کے متعدد و پر لطف خطوط دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ قیمت تین روپیہ :- نیچر نگار لکھنؤ

الفاروق بک ہر دو حصہ مع نقشہ دنیائے اسلام علامہ شبلی کی سیرت حضرت عمرؓ مشہور کتاب ہے (پہرے)

ابو سلم خراسانی جرجی زیدان مصری کے مشہور ناول کا اردو ترجمہ (پہرے)

نقش اثر نامک جلال الدین صاحب اکبر کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ (پہرے)

نیچر نگار لکھنؤ

مکتبائیں

استفسارات

عیسیٰ علیہ السلام

(۱)

(جناب مامد حسین صاحب بلام پور)

”نگار“ ماہ ستمبر ۱۹۷۷ء میں یہ عنوان استفسارات محمد اکبر خان صاحب کراچی کے استفسارات پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت جو طولانی مضمون آپ کا شائع ہوا ہے میری نظر سے بھی گزرا۔ اس سے پیشتر حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر جس مضمون میں ہے اور جس کی بنا پر محمد اکبر صاحب کو شکایت کی ضرورت محسوس ہوئی ہے وہ میں نے نہیں دیکھا لہذا اس کی بابت اظہار خیال سے قاصر ہوں۔ لیکن اس مضمون میں جو خیالات آپ نے ظاہر فرمائے ہیں وہ قرآن حکیم اور معتقدات اسلامی کے خلاف ہیں۔ لہذا ایک مسلمان کی حیثیت سے مجھے بھی کچھ عرض کرنا ہو گا اس تصدیق دہی کا کوئی مفید نتیجہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ زمانہ آزادی کا ہے ہر شخص بغیر قاضی و محاسب کا خوف کئے ہوئے انا الحق کہہ سکتا ہوں۔ یہ ذیل ملاحظات محمد اکبر خان صاحب کی ”سجیدہ برہمی“ جس ”شاعرانہ شوخی“ کے ساتھ اپنے بقول خود (ظاہر ہیں اور کو تاہ اندیش حضرات کے نقطہ نظر سے) اپنی نامسلمانی کو اس کے آخری حدود تک پہنچا دیا ہے اور اوٹے تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے انحطاط پذیر ذہنیت کا جو مریہ پڑا ہے وہ میرے دعوے کی بین دلیل ہے۔

محمد اکبر خان صاحب کی مثال دیکھ کر مجھے تصدیق دہی کی جرأت نہ کرنا چاہیے تھی لیکن جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اس کو ”اپنی نامسلمانی کی آخری حدود“ سے نامزد فرمایا ہے لہذا اب مجھے اطمینان ہے کہ اس سے آگے آپ کہاں جائیں گے۔ گو پورے مضمون میں جو خیالات آپ نے ظاہر فرمائے ہیں وہ قرآن حکیم کے سابق عبارات اور مفسرین کرام کے اجماع کے خلاف ہیں اور جا بجا اپنے حسب منشا مطلب نکالنے کے لئے آپ نے ترجمہ میں بھی تصرف فرمایا ہے۔ لیکن میں اس وقت صرف بحث کے تیسرے جزو یعنی معجزات کی بابت عرض کر دوں گا۔

(عبارت نگار) سب سے پہلا معجزہ تو یہ ہے کہ آپ نے گوارہ سے گفتگو کی ان کے متعلق ہم کوئی مزید بحث نہ کریں گے۔ کیونکہ گزشتہ صفحات میں ہم اس کی حقیقت واضح کر چکے ہیں اور گوارہ سے بات کر نیکا مفہوم صغریٰ میں بات کر نیکا ہے اور یہ کوئی معجزہ نہیں (گزارش) دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گوارہ میں کیسی باتیں کیں۔ ویسی ہی کہ جیسے عام بچے۔ اماں۔ ابا۔ علم وغیرہ

بولتے ہیں۔ یا ایسی جن کا صدور ایک بچہ سے مافوق العادۃ سمجھا گیا

فرشتے نے جب حضرت مریم کو اللہ کی طرف سے بیٹے کی خوشخبری دی تو بخیر اور صفات کے ان کا یہ وصف یہی بیان کیا کہ وہ لوگوں سے کلام کر گیا گوارہ اور بڑھا پے میں۔ (آل عمران) خدا نے حضرت عیسیٰ کو مخاطب کر کے جہاں اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں وہیں اس نعمت کا بھی ذکر کیا ہے کہ ”تو نے بات کی لوگوں سے۔ گوارہ میں اور بڑھا پے میں۔“ (سورہ مائدہ) ظاہر ہے کہ فرشتہ کی خوشخبری اور خدا کے انعام میں گوارہ میں لوگوں سے کلام کرنے کی صفت ضرور کوئی مافوق الفطرت بات ہو سکتی ہے ورنہ اس خصوصیت کے اظہار کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

یہ خصوصیت سورہ مریم کی آیات سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے ”پر مریم اپنے لڑکے کو قوم کے پاس (اٹھالائی) انہوں نے کہا اے مریم تو عجیب چیز لائی ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ خراب آدمی تھا اور نہ تیری ماں خراب تھی پہراشارہ کیا تو تم نے لڑکے کی طرف“ لوگوں نے کہا کہ ہم کیا بات کریں اس سے جو تھا ایک لڑکا گوارہ میں (جو گود میں ایک بچہ ہے) عیسیٰ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں دی ہے اس نے مجھے کتاب اور بنایا ہے مجھے بنی الہم

حالانکہ آپ نے حسب منشاء خود ترجمہ میں تصرف فرمایا ہے (جو ایک ذمہ دار اہل قلم کی ذہانت سے بعید ہے) لیکن آپ کی کوشش بالکل فضول ہوئی اور بجائے کسی فائدہ کے بات ہی بھل ہو گئی۔

پہلی غلطی یہ کہ فائز یہ تو ہما تھلہ کا ترجمہ ”پر مریم اپنے لڑکے کو قوم کے پاس لائی“ فرمایا ہے۔ حالانکہ تھلہ کی موجودگی میں ترجمہ بجائے لائی کے اٹھالائی ہونا چاہیے تھا یعنی گود میں اٹھالائی۔

دوسری جگہ آپ نے ”قالو کیف تکلم من کان فی المہد صبا“ کا ترجمہ فرمایا ہے کہ ”لوگوں نے کہا کہ ہم کیا بات کریں اس سے جو تھا ایک لڑکا گوارہ میں“ حالانکہ صحیح ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ ”لوگوں نے کہا ہم کیا بات کریں اس سے جو گود میں ایک لڑکا ہے“ بجائے ”وہ ہے“ تھا۔ معلوم نہیں کس لفظ کے معنی آپ نے لئے ہیں۔

ترجمہ میں یہ صریح غلطی آپ نے اس ضرورت سے فرمائی کہ ایک دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کو قوم کے سامنے کسی سواری پر لائیں لہذا جہاں آپ نے یہ فرض کر لیا کہ حضرت عیسیٰ کی عمر اس وقت بیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور منصب نبوت عطا ہو چکا تھا وہیں ان آیات کا ترجمہ اپنی مرضی کے موافق کر لیا اور مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ یہ بہت بڑی جہارت ہے؛ حالانکہ یہ تسلیم کر لینے کے بعد بھی کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کو کسی سواری پر لائیں دوسری آیات کے ترجمہ میں تغیر و تبدل کے بغیر یوں ظاہر ہو سکتا ہے کہ حضرت مریم خود کسی سواری پر آئی ہوں اور حضرت عیسیٰ ان کی گود میں ہوں ایسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان کو سواری پر لائیں اور کوئی اخلاق نہیں رہتا ہے۔

اب جس بہت سے آپ کا ترجمہ بکا رہو گیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ جو بات ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی بابت بقول آپ کے مین سال کی عمر میں کہی کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو ایک لڑکا تھا گوارے میں وہی سو برس کے بڑے کی بابت بھی کہی جاسکتی ہے اور یہی اعتراض خود قائلین ہو سکتا تھا پر ایسی ہی نتیجہ بات وہ لوگ کہوں سکتے۔

یہ کلام پاک کا اعجاز ہے کہ تھا اور ہے کے ادنیٰ تغیر میں ہی انسان کا میاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ خدا نے خود ہی اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے ورنہ اگر انسان کا زور چلتا تو مخالفین اسلام جو ہمہ وقت اس کے ٹٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں کب کا رخ کر چکے ہوتے۔

ان آیات کریمہ کا سبق عبارت بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ قوم نے حضرت عیسیٰ کی مافوق الفطرت پیدائش پر حضرت مریم کو ملامت کی تب حضرت مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا اور حضرت عیسیٰ نے گود میں یہ باتیں کیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ وہی ہے اس کے مجھے کتاب، اور بنایا ہے مجھے نبی۔ الخ

ظاہر ہے کہ گود کے بچے ایسی باتیں نہیں کر سکتے جیسی حضرت عیسیٰ نے کیں اور یہ اس مافوق الفطرت کا نتیجہ تھا جس کی فرشتے نے خدا کی طرف سے حضرت مریم کو خوش خبری دی تھی اور جس کو خدا نے بچہ اپنی نعمتوں کے حضرت عیسیٰ کو یاد دلایا تھا اور اس کو جو وہ نہ کہنا زیادتی ہے آپ نے حضرت عیسیٰ کی گفتگو سے دو نتیجے نکالے ہیں (۱) یہ کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش میں حضرت مریم کے چال و چلن کے متعلق کوئی سوال ہی درپیش نہیں تھا اور حضرت عیسیٰ یوسف بنجار (اسپے باپ) اور حضرت مریم کے شوہر کے بیٹے کے درمیان جب انہوں نے گفتگو کی تھی تو حضرت مریم کی برائیت کے متعلق بھی کہتے (۲) اس وقت ان کی عمر میں سال سے متجاوز تھی اور منصب نبوت عطا ہو چکا تھا۔ لیکن یہ دونوں خدشے صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ ان لوگوں کے ان اعتراض سے کہ اسے مریم تو ایک عجیب چیز لانی ہے نہ تیرا باپ خراب آدمی تھا نہ تیری ماں خراب تھی بالکل واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش میں حضرت مریم کے چال و چلن پر انہیں شک تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ نے باوجود صغرتی گود میں ایسی گفتگو کی کہ میں خدا کا بندہ اور نبی ہوں اور مجھے کتاب عطا ہوئی ہے تو انہوں نے خود ہی سمجھ لیا کہ یہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے ورنہ اتنا بڑا بچہ ایسی باتیں کیونکر کر سکتا ہے اس لئے اور کسی گفتگو کی ضرورت ہی نہیں رہتی تھی (۲) آپ صرف اس بنا پر قیاس کرتے ہیں کہ یہ گفتگو منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہوئی کہ حضرت عیسیٰ اگر بچہ تھے تو قبل از وقت عطاے منصب نبوت کا ذکر کیسے کرتے لیکن چونکہ آپ سے یہ باتیں ایک معمولی انسان کے موافق اپنی قوت ارادی سے سرزد نہیں ہوئیں لہذا آپ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا اور یہ تسلیم کر لینے میں کیا نقص پڑتا ہے کہ ارادۃ اللہ کے مطابق ان کی زبان سے الفاظ نکلا دینے گئے۔ دیگر معجزات کی تفصیل حسب ذیل جو خلی بابت آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے۔

(۱) مٹی کی چڑیا بنا کر حضرت عیسیٰ کا اس کے اندر پھونک مارنا اور اڑ جانا۔

(۲) اندھے کوڑھیوں کو اچھا کرنا۔

(۳) مردہ کو زندہ کرنا۔

(۴) غیب کی خبر دینا اس قبیل سے کہ لوگ کیا کہاتے ہیں اور گروں میں کیا رکھتے ہیں۔

(۵) حضرت عیسیٰ کی دعا پر دسترخوان کھانیکا آسمان سے نازل ہوتا۔

(انتخاب عبارت نگار)

(۱) معجزہ اول کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ واقعی وہ مٹی کی چڑیاں بناتے تھے اور اس میں جان ڈالتے تھے بعض کا بیان ہے جس میں سرسید مرحوم بھی شامل ہیں کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ کے عہد طفلی کا ہے اور بچپن میں لڑکے اس قسم کی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ لیکن یہ نزدیک یہ دونوں باتیں سمجھ سے باہر ہیں اور اس لئے کہ کسی شے میں جان ڈالنا یا کسی چیز کو پیدا کرنا سرسید کا کام ہے اور اس لئے کہ اگر مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں جان ڈالنے کا واقعہ صرف ان کے عہد طفلی کے بچپن سے متعلق تھا تو خدا اپنی نعمتوں کے سلسلے میں اس کا ذکر نہ کرتا جیسا کہ سورہ المائدہ کی آیتوں سے ظاہر ہے۔

(۲) انجیل کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص و حکایات اور امثال و تشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے لڑکچہ کی یہی شان تھی اس لئے غور کرنا چاہئے کہ فقط خلق سے بیان کیا مراد ہے اور نفخ کے بعد طائر کی طرح اڑ جانا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۳) ”آیت متذکرہ سورہ آل عمران کے معنی یہ ہونے کہ تم لوگوں کو جو مٹی سے بنے ہو بلند پر واز اور بلند خیال انسان بنانا چاہو۔“ (الفتا) آپ نے یہ تحریر فرما کر کہ بعض حضرات مفسرین معجزہ اول کے قائل نہیں اور بعض جن میں سرسید مرحوم بھی شامل ہیں یہ ثابت کرنا کہ کوشش فرمائی ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جمہور علماء امت کا اجماع معجزہ اول کے حق میں ہے اور اگر سرسید مرحوم کے علاوہ کچھ اور حضرات خلاف ہیں تو ان کا شمار ہزار ہا مفسرین کرام قائلین معجزہ کے مقابلہ میں صفر کے برابر ہو گا۔

(ب) مفسرین کرام کی ہفتائیں سرسید مرحوم کا کیا مدعہ تھا لوگ جانتے ہیں ساتھ ہی موصوف کے ہم خیال دیگر مفسرین کی تعداد اور اس کا گرامی آپ کو ظاہر کر دینا چاہئے تھے تاکہ لوگ اندازہ کر سکتے کہ اس قدر اور ایسے لوگوں کی مخالفت سے مسئلہ مختلف فیہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ (ج) سرسید مرحوم اور دیگر مفسرین کی طرف سے جو خیال آپ نے ظاہر فرمایا ہے اس کی بابت مجھے صاف صاف عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ غلط ہے ان حضرات نے ہرگز ایسی بات نہ لکھی ہوگی کیا آپ ان حضرات کو عقل سلیم سے اس قدر بے بہرہ سمجھتے ہیں جو یہ رائے رکھتے ہوں گے کہ لڑکے عموماً مٹی کی چڑیاں بنا کر اور اس میں جان ڈال کر اڑا دیا کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ جن حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہو گا کہ یہ حضرت عیسیٰ کے لڑکپن کا واقعہ ہو گا ان کا شمار حضرت عیسیٰ کے علوم مراتب کا خیر ہو گا کہ بچپن ہی سے امداد عیسیٰ شامل حال تھی اور وہ کیل میں مٹی کی جو چڑیاں بناتے تھے خدا کے حکم سے ان میں جان ڈالتے تھے۔

مذہب بالاسفالتوں کے علاوہ سارے تیرہ سو برس کے طویل زمانہ میں جس قدر مفسرین کرام گزرے ہیں جن کو خبر صادق (ردی خدا کی) نے اعلیٰ و اعلیٰ کا بنیاد بنی اسرائیل کے قابل فخر لقب سے یاد فرمایا ہے سب کی رائے سے آپ اختلاف فرماتے ہیں اور آپ کے نزدیک یہ دونوں باتیں سمجھ سے باہر ہیں کیونکہ کسی شے کا پیدا کرنا یا اس میں جان ڈالنا صرف اللہ کا کام ہے۔

کیسی بوجھیں ہیں کہ جن بزرگوں کی عمریں خدمت قرآن و حدیث اور احادیث کے کلمہ اللہ میں گزر گئیں وہ اس بار کی تک نہ پہنچ سکے۔ کہ کسی شے کا پیدا کرنا یا کسی چیز میں جان ڈالنا صرف اللہ کا کام ہے اور ایک ادبی رسالہ جاری کر کے آپ کو یہ عرفان حاصل ہو گیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اگر آپ سورہ مائدہ کی آیات ”جب کہ گا اللہ اسے عیسیٰ ابن مریم یاد کرو میری نعمت کو اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر جب میں نے مدد کی تیری، روح القدس کے ذریعہ سے تو نے بات کی لوگوں سے گوارہ میں اور بڑھاپے میں۔ جب میں نے سکھائی تجھے کتاب و حکمت توریت و انجیل اور جب بنایا تو نے مٹی سے طائر کی صورت میں پھر تو نے پہنکا اس میں اور وہ ہو گیا طائر میرے حکم سے اور اچھا کیا تو نے اندھ کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب تو نے نکالا مردے کو میرے حکم سے اور جب میں نے باز رکھا بنی اسرائیل کو جسے جبکہ تو ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لایا۔ لیکن کافروں نے کہا یہ کمال ہوا جادو ہے۔“

یا سورہ آل عمران کی آیات ”میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی کے طائر کی صورت میں پھر پہنکتا ہوں میں وہ ہو جاتا ہے ایک طائر اللہ کے حکم سے اور اچھا کرتا ہوں اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلتا ہوں مردے کو اللہ کے حکم سے اور خبردار کرتا ہوں تم کو اس سے کہ تم کیا کہتے ہو اور کیا کردوں میں بچانے ہو تحقیق کہ اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لائے و اسے ہو۔“ پھر غور فرماتے تو معلوم ہوتا کہ جان ڈالنے کی بابت خدا نے تصرف فرمادی ہے کہ میرے حکم سے اور حضرت عیسیٰ نے یہی واضح فرمادیا ہے کہ ”پس وہ ہو جاتا ہے طائر اللہ کے حکم سے“ اور مفسرین کرام یا کسی مسلمان کا یہ عقیدہ کہی نہیں رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ میں بہ حیثیت انسان یہ قوت موجود تھی۔ بلکہ یہ کہ یہ قوت بطور معجزہ خدا کی طرف سے خاص طور سے عطا ہوئی تھی۔

(۲) عبارت متذکرہ بالا نمبر ۲ میں آپ نے جو غلط بحث فرمادیا ہے اس پر شاید غور نہیں فرمایا ہے براہ عنایت اب غور فرمائیے۔
”خلق اور نفع“ الفاظ قرآن کی معنی متعین کرنے کیلئے آپ فرماتے ہیں کہ اگر انجیل کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات باسانی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص و حکایات اور امثال و تشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے لٹریچر کی یہی شان تھی اس لئے غور کرنا چاہیے کہ خلق سے یہاں کیا مراد ہے اور نفع کے بعد طائر کی طرح اڑنا کیا معنی رکھتا ہے۔

سمجھنا اور ایسے ہی منطقی دلائل سے دن کو رات زمین کو آسمان اور سفید کو سیاہ ثابت کر دیا جاسکتا ہے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ الفاظ قرآنی کے معنی کی تلاش میں آپ لوگوں کو حمد نزول انجیل مقدس کا راستہ بتا دیں حضرت عیسیٰ کی گفتگو اور انجیل مقدس کے الفاظ کے اس وقت خواہ کچھ ہی معنی لئے جاتے ہوں الفاظ قرآن کے معنی متعین کرنے میں آپ ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے صرف وقت نزول قرآن پاک کے محاورہ عرب کی تحقیق کرنا ہوگی۔

(۳) عبارت متذکرہ صدر نمبر ۳ میں آیت کے جو معنی آپ نے بتائے ہیں وہ بوجوہات غلط ہیں۔

(۴) دونوں صورتوں میں مٹی سے طائر کی صورت بنانے روح پھونکنے اور پھر طائر ہو جانے اندھے کوڑھی کو اچھا کرنے مرنے جلانے کی بابت ایک ہی الفاظ استعمال ہوئے اگر آپ کے خیال کے مطابق یہ الفاظ اپنے صحیح معنوں میں مستعمل نہ ہوئے ہوتے بلکہ امثال و تشبیہات استعمال کئے گئے ہوتے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ دونوں موقعوں پر یکساں تشبیہات مستعمل ہوتیں جو عبارت حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے اور جو خدا کی طرف سے دونوں میں کہیں نہ کہیں کسی تشبیہ میں فرق ہونا چاہیے تھا اس یکسانیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو الفاظ دونوں صورتوں میں استعمال ہوئے ہیں اپنے اصلی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

(ب) یہ صحیح ہے کہ کلام پاک میں کہیں تشبیہ و استعمال سے بھی کلام لیا گیا ہے لیکن ہر موقع پر سابق عبارت سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ بطور استعارہ استعمال ہوا ہے مگر آیات متذکرہ بالا میں یہ صورت نہیں ہے اور اگر آپ کے بتائے ہوئے معنی مان لئے جائیں جو سادہ ہے تیرہ سو برس کے عرصہ میں آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئے تو کلام الہی پر جس کی فصاحت و بلاغت مسلمہ ہے سخت اعتراض وارد ہوتا ہے۔

(ج) آپ کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم لوگوں کو جو مٹی سے بنے ہو

لیکن حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ ”میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے طائر کی صورت میں“ اور دونوں فقرہوں کے مفہوم میں زمین و آسمان کا جو فرق ہے ظاہر ہے۔

(د) حضرت عیسیٰ نے پہلے فرمایا ہے ”کہ میں لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی“ اور پھر تفصیل کی ہے کہ یوں مٹی سے طائر بناتا ہوں۔ اندھے کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں وغیرہ۔ اور نشانی انہیں امور کو کہا جاسکتا ہے جو بہت واضح خاص اور متم بالشان ہوں۔ آپ کے بتائے ہوئے مطلب میں کوئی بات نشانی کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کہ اگر حضرت عیسیٰ نے کسی کو تعلیم الہی کے ذریعہ سے بلند پرواز اور بلند خیال انسان بنادیا ہو یا کسی گنہگار کو گناہوں سے بچا کر اخلاقی تعلیم سے زندہ کر دیا ہو تو یہ جو تک اندرونی اصلاح تھی اس کے لئے لوگوں کو نہ اس کا علم ہو سکتا ہے نہ وہ قائل ہو سکتے ہیں کہ یہ کوئی خدا کی طرف سے نشانی ہے درحالیکہ اور لوگ بھی کچھ نہ کچھ اصلاح و سیرت کی کر سکتے ہیں۔

۱۔ سورہ مائدہ میں خدا نے حضرت عیسیٰ کو مخاطب کر کے جب سب نعمتیں یاد دلائی ہیں تو فرمایا ہے کہ ”جب لایا اُن کے پاس کہلی ہوئی
 انہیں۔ لیکن کافروں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے“ ان کہلی ہوئی نشانوں کو کھلا ہوا جادو اسی وقت کہا جاسکتا تھا جبکہ اُن کا صدق
 قوت انسانی سے باہر اور اُن کا سمجھنا بھی عقل انسانی سے ماورا ہوتا۔ کسی کی اندرونی اصلاح کو کھلا ہوا جادو نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا
 پڑ گیا کہ طائر بنانے۔ اندھے کوڑھی کو اچھا کرنے۔ مردے کو جلانے وغیرہ کی بابت جو الفاظ کلام پاک میں متعلی ہوئے ہیں اپنے
 معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں نہ بطور تشبیہ استعارہ۔ طائر بنانے کے جو معنی آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ اوپر عرض کے
 ہیں اندھے کوڑھی کو اچھا کرنے اور مردے کو جلانے کا مطلب آپ کے نزدیک اخلاقی بجا رہوں کی اصلاح ہے لہذا معجزات
 ۲ و ۳ کے متعلق مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا معجزہ اول ہی کے سلسلہ میں عرض کر دیا۔

(عبارت نگار متعلق معجزہ نمبر ۴)

لفاظ سے کہ ”میں تم کو بتاتا ہوں یا تمہیں کرتا ہوں کہ تم کتنا اور کیا کہاتے ہو اور کیا جمع کرتے ہو“ میری سمجھ میں نہیں آتا اخبار عن الغیب
 سمجھ لیا گیا۔

ارش (اخبار عن الغیب اس لئے سمجھ لیا گیا ہے کہ اول تو حضرت عیسیٰ نے منجملہ اپنے اور اوصاف کے جو اُن کو خدا کی طرف سے بطور
 فی مرحمت ہوئے تھے اس مفت کو یہی بیان فرمایا ہے دوسرے یہ کہ ہر شخص لوگوں کی بابت یہ نہیں بتا سکتا کہ انہوں نے کیا
 ہے اور کیا اُن کے گم میں ہے۔

(عبارت نگار متعلق معجزہ نمبر ۵)

مجید سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مادہ نازل کیا گیا۔ علاوہ اس کے مادہ سے یہاں کہا نیکا دسترخوان مراد نہیں ہے۔ بلکہ مقصود صرف
 ی ہے اور حضرت عیسیٰ کی دعا قہیں سے تھی جیسی کہ انجیل میں پائی جاتی ہے ”کہ ایذا ہمارے آج کی خوراک دے“
 وہ کی ان آیتوں سے صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ حواریوں نے وسعت رزق طلب کی تھی اور اسی کی بابت حضرت عیسیٰ نے دعا فرمائی
 اُس کے قبول ہونیکا ثبوت آج کل عیسائیوں کی دنیاوی ترقی ہے۔“

ارش (سورہ مائدہ کی آیات کا ترجمہ یہ ہے ”کہا انہوں نے ارادہ کرتے ہیں کہ کہا دیں ہم اور آرام پکڑیں ہمارے دل اور جانیں
 پرچ کہا ہے تم نے ہم سے اور ہم اس پر گواہ ہوں۔ کہا عیسیٰ نے یا اللہ پروردگار ہمارے اتار ہمارے اوپر خوان آسمان سے اور
 سے عید ہمارے واسطے اور ہمارے اگلے اور پھلوں کے لئے اور نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہم کو اور تو بہتر رزق
 والا ہے۔ کہا اللہ نے تحقیق میں اتارنے والا ہوں اُس کو تھا اسے اوپر۔ پس جو کوئی کفر کرے اس کے بعد میں تحقیق میں عذاب
 گا اس پر ایسا کہ نہ کرونگا کسی پر عالموں میں سے“

آیات کریمہ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے نزولِ مائدہ کی خواہش کی تھی جس کا مقصد یہ بتایا تھا کہ ہم اس کو کہا بیٹے اور ہمارے قلب کو اطمینان حاصل ہوگا۔ اور ہم جانیں گے کہ تم دعویٰ نبوت میں سچے ہو اور ہم دوسرے لوگوں کے سامنے تمہارے سچے بنی ہونے کی شہادت دیں گے چنانچہ حضرت عیسیٰ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائی (۱) مخصوص نزولِ مائدہ کیلئے (۲) عام طور پر وسعتِ رزق کے لئے (۳) کہ آپ کے قول کے مطابق محض وسعتِ رزق کے لئے (۴) خدا نے فرمایا ہے کہ ہم مائدہ اتارنے والے ہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد پہر کوئی کفر کر لگا تو اس پر ایسا سخت عذاب نازل کریں گے جیسا تمام عالموں میں سے کسی پر نہ کریں گے۔ مفسرین کرام نے اس موقع پر تصریح فرمائی ہے کہ اس قدر سخت و عید کی وجہ یہ تھی کہ حواریوں جو متواتر نشانیاں دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ پھر حضرت عیسیٰ کا امتحان کرنا چاہتے تھے اور یہ گستاخی تھی سو اسے اس قدر ذکر کے جو ان آیات کریمہ میں ہے نزولِ مائدہ کی بابت کلام پاک میں اور زیادہ صراحت نہیں ہے کہ نازل ہوا یا نہیں۔

شیخ الحدیث کثیر نے بروایت مجاہد و حسن فرمایا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا کیونکہ شرط اس قدر سخت تھی کہ حواریوں ڈر گئے اور پھر سوال کی ہمت نہیں کی لیکن جمہور امت اور مشاہیر ائمہ علماء کا قول ہے اور اخبار و آثار سلف اس کے مؤید ہیں کہ مائدہ نازل ہوا تفسیر ہوا ہے بہر حال جب قرآن کریم میں نزولِ مائدہ منصوص نہیں ہے تو اجماع امت کے خلاف ہی آپ انکار کر سکتے ہیں لیکن آپ سے انکار کے بعد بھی دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت عیسیٰ کی دعا کے ایک جوہر کی مقبولیت آپ بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی وسعتِ رزق کی گواہی کوکل دعا کا نتیجہ سمجھتے اور صرف یہی بات معجزہ سے کیا کم ہے۔

(۲) نزولِ مائدہ کی بابت قرآن حکیم سے جب اس قدر ثابت ہے کہ حواریوں نے خواہش کی۔ حضرت عیسیٰ نے دعا فرمائی اور اللہ وعدہ فرمایا تو اگر حواریوں سخت شرط سے ڈر نہ جاتے (یا اگر آپ یہ وجہ نہ مانیں تو جو وجہ ہو) تو اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرنا بہرہ اس معجزہ کے عطا کرنے میں بھی خدا کی طرف سے کوئی کمی نہیں ہوئی۔

جملہ معجزات میں ہر جگہ تاویل کی ضرورت آپ کو یوں محسوس ہوتی ہے کہ باتیں قانونِ قدرت کے خلاف ہیں اور آپ کی سمجھ سے باہر ہیں لیکن ذرا غور تو فرمائیے ۴

ہزار تکلمہ ہار یک تر زمو ابجا ست
عقل انسانی کی ہستی ہی کیا ہے جو اس کے کارخانہ قدرت کے رموز سمجھ سکے اور جب بڑی بڑی مقدس ہستیوں نے لاعلمی والا علمنا۔ لکرا اپنی عاجزی تسلیم کر لی تو ہماری آپ کی عقلیں کس شمار و قطار میں ہیں۔ اگر آپ وہی بات مان سکتے ہیں جو آپ کی عقل آتی ہو تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں جو بے شمار رموز و اسرار ہیں سب کو چھوڑ کے صرف ایک ہی بات بتا دیجیے کہ حضرت عیسیٰ کی اگر اگر در بلکہ وسعتِ رزق مقبول ہوئی اور بقول آپ کے عیسائیوں کی موجودہ دنیاوی ترقی اس کا ثبوت ہے یہ بات عقل میں

فی ہے۔

آپ خدا کو قادر مانتے ہیں تب تو کوئی دشواری نہیں رہتی جہاں سب باتیں قانون قدرت کے موافق ہوتی ہیں وہ جس بات کو چاہے
لافت معمول ہی واقع ہو سکتی ہے۔ جس طرح عجیب الخلقیت جانور اور انسان پیدا ہوتے ہیں عورت کے پیٹ سے سانپ پیدا ہوتا ہے
غیرہ وغیرہ لیکن انیسویں صدی میں ہم لوگ مادیت سے اس قدر مرعوب ہیں کہ بقول حضرت اکبر مرحوم ۵

ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں وہ صرف قوت فرمان خدا کو مانتے ہیں

شخص قسمتی سے ہم لوگ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جب حضور خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین کے ظہور قدسی کی برکت سے ہر طرف
تہذیب و تمدن کا دور دورہ ہے اور بعثت انبیاء کی ضرورت باقی نہیں رہی اس لئے ہمارے ذہن میں اس تاریک زمانہ کا صحیح نقشہ
نہیں آتا ہے جب قدرت کو کسی قوم یا ملک کے لئے نبی مبعوث کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ فرض کیجئے کہ ایک نبی کی وفات کو موصوم
رچکا ہے اس کی قوم رفتہ رفتہ احکام خداوندی فراموش کر چکی ہے بجائے عقیدہ توحید و عبارت الہی معبودان باطل کی پرستش
کرتی ہے شرابخواری، قمار بازی، چوری، قتل اولاد، ظلم و تعدی کی گرم بازاری ہے قاعدہ قانون، تہذیب، اخلاق، سب بالکل
باقی غرضکہ جب ہر اعتبار سے حالت سست ہو جاتی ہے۔ عقیدہ توحید فنا ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ تو غیرت خداوندی جوش میں
آتی ہے اور کسی شریف ترین خاندان سے پہر ایک نبی مبعوث ہوتا ہے جو قوم کے سامنے خدا کی بھیجی ہوئی کتاب پیش کرتا ہے اور
اس کے احکام کے بموجب عمل کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور ان کی بد اعمالیوں پر خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے۔

بازراغور فرمائیے کہ ایک تنہا شخص جس کے ساتھ نہ کوئی فوج ہے نہ توپ خانہ نہ ہوائی جہاز نہ مشین گن ایک پوری قوم یا ملک
کے مقابلہ میں بھیجا گیا ہے جس کے قلوب بد اعمالیوں سے سیاہ ہو چکے ہیں جس میں تربیت یزیری کی صلاحیت نہیں جو اپنے معبودان
طل کے خلاف ایک حرف سنے کے لئے تیار نہیں ہے ایسی صورت میں کیونکر اصلاح ہو سکتی ہے۔ ایسے ہی موقع کے لئے نبی کو معجزہ
عطا ہوتا تھا اور جب کوئی ایسا مافوق العادۃ فعل نبی سے صادر ہوتا جو عام انسانی قوت و فہم سے بالاتر ہوتا تھا تو بڑے بڑے جبارہ
کے سر ٹھک جاتے تھے اور ان کو قائل ہونا پڑتا تھا کہ واقعی یہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے اور تا یہ غیبی اس کے ساتھ ہے۔

حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر نبی سے معجزہ کا اظہار ہو۔ جہاں ضرورت ہوتی معجزہ عطا ہوا اور جہاں ظاہری معجزہ کی ضرورت
نہیں پڑی وہاں قوم کے دل میں نبی کی کشش پیدا کر دی گئی اور وہ خود بخود رجوع ہو گئی۔ اور یہی معجزہ سے کم نہیں۔

ج جبکہ ہم اس تاریک زمانے کی فزاکا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں یا اس دورِ مادیت میں خدا کو قادر مطلق محض زبان سے کہتے ہیں اور
دل سے یقین نہیں کرتے تو یہ صرف ہمارا کہوٹ ہے جس کی منہا ہی بقول حضرت اکبر بھگت رہے ہیں ۵

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہو
سلطنت کر گئے عقیقی سے ڈرانے والے

۲

(جناب محمد عبدالمجید صاحب - مالیکان)

ستمبر نگار میں سلسلہ استفسارات آپ نے جو تحریر حضرت مسیح کی ولادت - وفات اور معجزات سے متعلق لکھی ہے مجھے اس میں کچھ شکوک ہیں امید کہ آپ رفع فرمائیں گے۔ اس صحبت میں میں صرف انہیں شکوک کو پیش کروں گا جن کا تعلق مسئلہ ولادت سے ہے۔
(۱) آپ فرماتے ہیں کہ جب مریم نے کہا میرے کیسے بٹیا ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں تو فرشتہ نے کذاک (ایسا ہوگا) یعنی ہمیں مرد چھوٹا اور تمہارے اولاد ہوگی۔

اگر کذاک کا ہر جگہ یہی مفہوم ہے جو آپ فرماتے ہیں تو قال ربک ہو علیٰ ہین اور لنجعلہ آیت کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ والدین کی وساطت سے مولد کا ہونا کوئی استعجاب اور اشکال طلب امر نہیں۔ حتیٰ کہ فرشتے کو حضرت مریم کے اسکات و اطمینان کے لئے ہو علیٰ ہین اور لنجعلہ آیت کہنے کی ضرورت ہوئی۔

(۲) آپ فرماتے ہیں ”لنجعلہ آیت للناس ورحمۃ منا کا تعلق حضرت عیسیٰ کی آئندہ زندگی اور نبوت سے ہے نہ کہ ولادت اور طریقی ولادت سے“

لیکن ولادت سے متعلق مریم کی طلب توجیہ پر فرشتہ کا جواب علیٰ ہین ہوتے ہوئے لنجعلہ آیت کو حضرت عیسیٰ کی آئندہ زندگی سے متعلق بتانا حرف لام کو بیکار کر دینا ہے حضرت عیسیٰ کی زندگی اور نبوت تو ضرور خدا کی رحمت تھی لیکن خدا کی آیت (نشانی) ہونا ان کی غیر معمولی ولادت ہی کے لئے چسپاں ہے۔

(۳) آپ فرماتے ہیں ”اگر ولادت مسیح کے غیر معمولی طور پر ہونیکا اظہار مقصود ہے تو یخلق کیف ما یشاء کہا جاتا ہے کہ یخلق ما یشاء کیا لفظ ما کی تعلیم اس قدر محدود ہوتی ہے کہ اس میں واقعہ کی نوعیت داخل نہیں ہو سکتی۔ کیا جو چاہتا ہے کرتا ہے کے یہ معنی نہیں کہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔“

(۴) آپ فرماتے ہیں ”سوان سے بھی عیسیٰ کی ولادت غیر معمولی طور پر ثابت نہیں ہو سکتی“
میں نے قرآن مجید پر اس واقعہ سے متعلق ایک سرسری نظر ڈالی ہے جس سے معلوم ہوا کہ لفظ کن فیکون کا استعمال کل آٹھ مقامات پر ہوا ہے۔ ممکن ہے غائر نظر کے بعد دو ایک اور مقام پر مل جائے ان مقامات میں چار تو خود مسیح کی ولادت ہی سے متعلق

موتنی کی یاد

دور ہیں تو کیا ہوا میں انھیں بلاؤں گی
 ہے سنگار انھیں عزیز ہاں سنگار کر تو لوں
 آئینہ تو دیکھ لوں مانگ تو سنبھال لوں
 کیا ہوا یہ حال ارے تو وہی ہو موتنی
 پہلے جسم میں لباس کیسا جذب رہتا تھا
 اب لباس ہے کہیں جسم زار ہے کہیں
 شکل میری سٹ گئی میں خیال رہ گئی
 حلقے میری آنکھوں میں ہاے کیسے پڑ گئے
 سب الجھ رہے ہیں بال خشک ہو رہی ہیں گال
 آہ سوز ہجر نے کیا سے کیا بنا دیا
 خون پہلے خشک ہو کے دل کی آگ بن گیا
 کیا سنگار بن پڑیگا کیا بچیں بناؤں گی
 دل کی آگ ہی مدد کچھ کرے تو بات ہے
 شمع سوز دل تری آج ایسی تو بڑھے
 ان کے جاتے ہی مرا کیا یہ حال ہو گیا
 مجھ سے بڑھکے انکو اپنا یہ چمن عزیز تھا
 وہ جو پوچھینگے تو میں بات کیا بناؤں گی
 میری شکل دیکھ کر رخ کا رنگ فق نہ ہو
 کیا خیال آگیا کانپ اٹھی لرز گئی ہو
 مجھ سے خوش نہ ہو سکیں تفریق میری زندگی

جذب دل کی قوتیں آج آزماؤں گی
 ان کو پھر بلاؤنگی پہلے بن سنور تو لوں
 ان کو جو پسند ہے وہ بھین نکال لوں
 جس سے آئینہ کی گو د پہلے بھر سی جاتی تھی
 موج بکھر جن ہے آئینہ یہ کہتا تھا
 دھوکا ہو رہا ہے مجھ کو اس میں ہوں بھی یا نہیں
 گھل کے در و ہجر کی اک مثال رہ گئی
 آہ رخ کے خال و خد کس قدر بگڑ گئے
 پیلے پر گئے ہیں ہونٹ پہلے رہتے تھے جلال
 رنگ روپ سب مرا خاک میں ملا دیا
 دل میں آگ جب بڑھی سو کہ تن بدن گیا
 وہ بہار جوش حسن اب کہاں سے لاؤنگی
 جوش شوق مجھ میں رنگ کچھ بھری تو بات ہو
 نور بر سے ہر طرف رخ پر ایسی صنوبر بڑھے
 گلشن جمال آہ پائمال ہو گیا
 رنگ رخ عزیز تھا تن بدن عزیز تھا
 ان کے آگے کیا یہی شکل لیسکے جادو نگ
 آنکھیں ڈبڈبا نہ آئیں ہاے یہ قلع نہ ہو
 قلب بھی لرز گیا روح بھی لرز گئی ہو
 ہاے ان کو ہو ملال اور پھر وہ مجھ سے ہی

اُن کو لطفِ زندگی اور مجھ سے ہی تو ہے
 آئے تیرے سوارِ اُردار کوں ہے
 اُن کے رنگ کی بہار چھائے مجھ پہ سرسبز
 جسم کے ردیوں میں جوش ہو ترنگ ہو
 یہ بدن بہار کا پیر ہن ہو میں نہ ہوں
 چوٹی جلد گندہ بھی جا جی سرا جلا نہ تو
 سب پہ رازِ دردِ دل آہ کھولنے لگیں
 سر پہ خاک جگنی بال سب گئے چکٹ
 تجھ کو سر چڑھاؤں میں جلد بے سلجھ تو جا
 گن میں مانو نگی ترا دیکھ عمر بھر بہت
 یہ خطا ضرور کی ہاں تجھے بھلا دیا
 روزِ روزِ یاد کر کے پھر تجھے سنوار دنگی
 ضعف نے ستم ستم کیسے ظلم ڈھائے ہیں
 سرورہ دیکھینگے تو میں کس قدر بجا دنگی
 رنگِ پاں کے ساتھ سب سر خردی آج ہے
 زیوروں کی پھین جن بنکے چھائیگی
 انکی آنکھ کچھ نہ کچھ دھوکا کھا ہی جائیگی
 اُن کے دل کو کس طرح دھوکا دیکو نگی میں
 صورت بہارِ نوزنگ میں بھری ہوئی
 اُن پہ کھل ہی جائیگی سب بناؤ میں سری
 اُن سے بھی تو کچھ نہ کچھ مجھ کو بات آئیگا
 رنگ کی طرح بدن میں پیر ہن سمائے گا
 لاکھ مٹ گئی ہوں میں جان پڑی جائیگی

میری زندگی کا راز اُن کی ہی خوشی تو ہے
 کس سے حالِ دل کموں غمگسار کوں ہے
 تو ہی کچھ جتن بتا تو ہی کچھ مدد بھی کر
 تن پر اُن کا ہو سہاگ رخ پر اُن کا رنگ ہو
 سر سے پاؤں تک مرے اک پھین ہو میں نہ ہوں
 کنگھی جلد جلد چل دل سرا دکھا نہ تو
 ڈھیلی پڑ کے چوڑیاں کیسی بولنے لگیں
 کنگھی کب سے کی نہیں کیا اُلجھ رہی دولت
 میری لٹ اچھ نہ تو بات کو سمجھ تو حبا
 مان لے کہا سرا آج وق نہ کر بہت
 تجھ کو مجھ سے کہ ہے کیوں میں نے تیرا کیا کیا
 آگے جو آج وہ دل کو تجھ پہ واروں گی
 کتنے بال ٹوٹ کر آہ سر سے آئے ہیں
 سر پہ بال بھی رہے مانگ کیا بناؤنگی
 کنگھی چوٹی ہی کے بات آج میری لاج ہے
 ساری جسم زار کی لاغری چھپائیگی
 اک ادا نظر فریب مجھ پہ چھائی جائیگی
 آنکھ کو تو اس طرح دھوکا دے سکو نگی میں
 اس میں ہوگی پہلے والی موہنی بسی ہوئی
 اس کے آگے ہے عبت یہ سجاو میں سری
 بن تولوں سنور تولوں خیر دیکھا جائے گا
 آہٹ انکی پاتے ہی جسم پھول جائے گا
 بیخودی شوق میں آنکھ لڑائی جائیگی

ان کے فیضِ حسن سے حسن آہی جائے گا
دل کے آستانہ پر کس نے یہ قدم رکھا
حسن مجھ میں آگیا رنگِ رخ بدل گیا
آئینے میں جلوہ گر یہ بہارِ نور ہے
میں وہی ہوں مومنتی یا شبیہ یار ہوں

میرا چہرہ سیاہ نورِ پاہی جائے گا
جوشِ اضطرابِ شوق موجِ برق بن گیا
یک بیک چہرہ نور آئینے میں جل گیا
عکس ہے میرا کہ اک آئینہ نور ہے
آئینے بتا تو دے کس سے ہمکنار ہوں

شامِ مومنتِ لعلِ نیلے جگرِ بریلوی

حدیث میکرہ

کسی میخوار سے پیرمغاں نے یہ کہی اچھی
سرورِ بادۂ عظمت نہیں گر کا سہ سر میں
اگر جو یاے ساغر ہے تو نادانِ ظرف پیدا کر
کہاں اک تجھ سا نو وارد، کہاں آدابِ میخانہ
ترا مقصودِ مینوشی سے ہے ہرزہ سرائی کا
ہوا دارفتہ گر تو جذبہ بے اختیار سے
شرارِ بادۂ رنگیں کی تابانی کو کیا جانے

خودی کا بھی ہو جس میں کچھ اثر وہ بخودی اچھی
تو اس ناگفتہ بہستی سے تیری نیستی اچھی
تو پہلے مستحق تو بن جو خواہش ہے تری اچھی
چلا آتا ہے محفل میں، رہی یہ دل لگی اچھی
تجھے مطلب ہے پینے سے لی جیسی بری اچھی
مرے نزدیک غم اچھا نہ پھر تیری خوشی اچھی
تو کیا سمجھے کہ ہے پیرمغاں کی دوستی اچھی

نکل صف سے نہ کر بدنام ناحق بزمِ رنداں کو
تری دجوتی سے نادانِ تیسری دشمنی اچھی

محمود سہرایی

رجز حیات

۱
دل مضطر تری بے تابیاں ہی
دل بیدار یہ بیخوابیاں ہی
مظاہر ہیں حیاتِ مستر کی
کمنڈیں ہیں تری اونچی نظر کی

۲
تو ہے روشنگر آئینہ دہر
دل؟ اور اسکو ہر اس کینہ دہر!!
تری سرگرمیوں میں ارتقا ہے
تسے ہر فعل میں مضمر بقا ہے

۳
تو لیلے چمن ہے ایدل! ایدل!
تو شمع انجمن ہے ایدل! ایدل!
تسے دیوانے اسرارِ نہاں ہیں
تسے پروانے اسرارِ نہاں ہیں

۴
کلیدِ قفلِ گنج کن فکاں تو
زماں تو اور زمین و آسماں تو
کہ تو داندہ رازِ جہاں ہے
تری وسعت محیطِ این و آن ہے

۵
تلاطمِ خیزیاں ہیں تیرے شایاں
کہ تو ہے قلزمِ موجِ عرفاں
سکوں کے نام سے نا آشنا رہ
بلائے کشمکش میں مبتلا رہ

ایمن حزمین

حیات

ہو گئی تسخیر وہ دنیا میرے اشعار سے
 روحِ انساں زندہ تر ہو عشق کے آزار سے
 اشکِ خوں آنکھوں کو لبِ کواہِ دل کو حشر سے
 ٹوٹتے ہیں میرے مسکن میں تارے دمدم
 آج زاہد کو بیاں کرنی ہو رودادِ بہشت
 موجبِ قہر و غضبِ اہلِ رے کے جرم ہیں
 آ رہے ہیں بھول کس کو ڈھونڈنے بازار میں
 بھول جانے لگا رہ گئے جہن کو ہمنشیں
 یہ بھی کوئی زندگی ہو ادا سیرانِ قفس
 زندگی جن کی ہے لاخوفِ علیہم کی دلیل
 جھومتا ہے گونجتا ہے آسماں پر ابر کیا
 انجمن کی انجمن مدہوش ہو جانے کو ہے
 بادۂ عرفاں ٹپکتا ہے مری گفتار سے
 وہ فروغِ صبح ہستی ظلمتِ شب میں نظر
 میرے پہلو میں چلا آیا حرار کے غار سے

وہ فروغِ صبح ہستی ظلمتِ شب میں نظر

میرے پہلو میں چلا آیا حرار کے غار سے

صفر حسین خاں تطیر لودھیانوی

کلام آزاد

افکار ہاشمی

(جناب سید ابوالقاسم ہاشمی)

لذتِ آشامِ خلش پابندِ ذوقِ ہوش تھا دل میں تھا ہنگامہ فریادِ لبِ موش تھا
کیفِ جامِ بخودی تھا مضمرِ رازِ سلوک فی الحقیقت باخبر ہونا ہی ننگِ ہوش تھا
کیا دکھائیں دیکھے لیلِ دہزارِ زندگی آج پہلے سے مریضِ شامِ غمِ بہوش تھا
یہ بھی تھی مضبوطی کی منزلِ نیاز گریہِ شمعِ لمحہ بھی نالہِ خاموش تھا
پردہِ شب میں چہرہ کسے سازِ سنوئل رازِ باگِ لسترا نی کیوں ہمہ تن گونج تھا
امیانہ بخودی کا یہ بھی تھا ناز و نیاز کون کتابِ کلیم طور کو بہوش تھا
ننگِ آمیزِ جنوں تھیں ہجر کی نیکیاں ہستی جاں جہاں میں بخودی کا جوش تھا
خندہِ صبحِ کفن تھا کاشفِ رازِ حیات آئینہِ فطرت کا خوابِ ہستی خاموش تھا
بھول بیٹھا ہاشمی ذلتِ ہستی کا سبق عالمِ اکبر کے اکساغز سے یہ مدہوش تھا

کیفیات کیفیت

(جناب کیف مراد آبادی)

نگار خانہِ قدرت کا آئینہ ہوں میں کوئی نہ دیکھے جسے اسکو دیکھتا ہوں میں
فریبِ خور و مجبوریِ وفا ہوں میں کسی حسین کی باتوں میں گیا ہوں میں
ظلمِ خانہِ الفت میں کہو گیا ہوں میں نگاہِ نازِ بتا دے مجھے کہ کیا ہوں میں
میں جانتا نہیں ہے ہجر کیا وصال کیا مگر کسی کو شبِ ورور ڈھونڈتا ہوں میں
مجھے ہر اپنی جنم کی قسم مجھے تو نہ بھول کہ اس جہان میں اک ٹھکڑا جانتا ہوں میں
وہاں نیمِ شبی صرنا آرزو ہر عیش کہ لوحِ دہر سے مٹ جانا چاہتا ہوں میں
جمالِ دیکھ کے غش کھایا کیا کمال کیا کسی کے چھپنے سے دیوانہ ہو گیا ہوں میں
یہ بزمِ ناز نہ ماتم کہہ کہیں بن جائے مجھے نہ چھیر کہہ کہ بھری صدم ہوں میں

بہت غرور تھا اس عشق پر مجھے اے کیف

دیارِ حسن میں ٹھکرا دیا گیا ہوں میں

سختیِ تعزیر اٹھالی جائیگی رحم کی خواہش دہالی جائیگی
کیا خبر تھی پردہ ہائے لطف میں جو رکی بنیاد ڈالی جائیگی
کوں واقف تھا کہ شکلِ آرزو درد کے قالب میں ڈھالی جائیگی
اب دلِ ناکام ہے اور فرطِ یاس اب طبیعت کیا سنبھالی جائیگی
حسرتِ ظہار غمِ برحق مگر بات بھی منہ سے نکالی جائیگی
التماسِ شوق سے کیا فائدہ جانتا ہوں بات خالی جائیگی
شکر کو شکوہ تو ثابت کیجئے شرم سے گردن جھکا لی جائیگی
شکوہِ غم پر کسا تو یہ کسا لذتِ غم بھی اٹھالی جائیگی
نازِ خود داری غلط ثابت ہوا عادتِ تسلیم ڈالی جائیگی
گا ہے ہا ہے پھر ملاست ریکاں در نہ پھر ذرات ڈھالی جائیگی
نالہِ آزاد ہے یا مضحکہ آہ درویش اور خالی جائیگی
(جناب حکیم آزاد بھاری)

وارداتِ دل

(حضرت دل شاہ جہاں پوری)

حسنِ ازل ہے جلوہ گر آئینہ مجاز عشق نے روحِ پہونکدی جذبہِ تیا ز میں
اٹھے تو در کس طرح بیٹھے تو گرد کی طرح عمرِ مہین گزاردی دشتِ جنوں اور میں
چشمِ وفانواز سے شانِ نیاز دیکھے ہست ہر عجب غرورِ نوی بارگہ ایاز میں
جھلن تھا غم پوچھے اُس غریب سے عرصہ حشر ہے نہاں جسکی شبِ از میں
سنگِ رجبیب کو جس سہی قبول کی فرق نہ آئے اچھین حوصلہ نیاز میں
عشقِ رسولِ پاک سے ہوا اثرِ پزیر دل نالہ کرین جہنم میں گونج اٹھو حجاز میں

عشقِ وفا پرست کی شاق ہو جانا دل

مہستیِ دل مٹائے رگِ ز نیاز میں

جذباتِ فراق

جنابِ فراق گورکھپوری

افکارِ ہادی

جنابِ ہادی صاحبِ مچھلی شہری

آخر فراق بن گئی جان پر تری کجنت پڑ گئی نہ کسی پر نظر تری
 موج ہوا کے ہاتھ میں ہو دامن بہار سر پٹیا ہے کوئی کھڑا راہ پر تری
 کیا پردہ داریاں ہیں تری آنکھ مست تہ پاسکا کوئی بھی نہ ہی سحر تری
 اک وقت ہو گا ہم سے جو دیکھنا نہ جائیگا ہم جانتے ہیں آئینہ ہجرال سحر تری
 اسے وعدہ کر کے بھولنے والا ترے شمار جینا پڑیگا کتنے دنوں بات پر تری
 جانے ہوؤں کو دیکھ کے انجان بن سکو پا جاؤں جو کہیں تو چراووں نظر تری
 ناکامیاں ملی ہیں کچھ آجلوہ گاہ ناز ہم تیرہ بخت آسے تھے اُمید پر تری
 کچھ لڑکھڑاہی ہے نسیم بہار بھی اچھی چلی ہے سوسے گلستاں نظر تری
 یہ سوز و ساز اسے غم ہستی ترے شمار تصویر ہو کے رہ گئی شمع سحر تری

صبحِ شبِ فراق ہوئی اور ابھی فراق

بیٹھا ہے اپنے گھر کو کئے رہ گزر تری

کلامِ صادق

جنابِ محمد صادق ایوبی

دیکھے دشت میں کیا حشر چاہوتا ہو عازمِ راہ کوئی آبلہ پا ہوتا ہو
 ڈوبنے والے بھی ساحل پہ پہنچ جائیں کون دریاے حقیقت میں فنا ہوتا ہو
 درپے پریش آزار محبت کیوں ہے چارہ گر! دردِ مرا اور سوا ہوتا ہو

کاٹنا قیدِ مصیبت کا ہر آساں کوئی!

مر کے صادق کہیں انسان رہا ہوتا ہو

نگارِ مشین میں لیتھو کا ہر قسم کا کام سادہ اور رنگیں رزاں دریا بندی وقت کیٹھا ہوتا ہے پتہ حبیل ہے
 نیچر نگار مشین پر پس نظیر آبا لکھتو

ہر قسم کا عطر صغریٰ علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ سے منگائیے

دیوان شیدا

سیح الملک حکیم اجل خاں صاحب

فارسی و اردو کلام کا قابلِ دید مجموعہ

دنیا سیح الملک کو طبیب، قومی رہنما، عالم، ادیب اور حافظ کی حیثیت سے جانتی ہے لیکن اس کا علم شاید خواص کے علاوہ کسی کو نہ ہو کہ حکیم اجل خاں صاحب فارسی و اردو کے ایک اعلیٰ پایہ اور کمنہ مشق شاعر بھی ہیں۔ آپ کا کلام استادانہ اور رفعت خیالات، فراوانی جذبات اور سادگی اظہار کے لحاظ سے آپ اپنی ہی نظیر۔

اس زمانہ میں سیح الملک فیوضہ جیسی جامع حیثیات شخصیت ہمارے لیے باعثِ فخر و مباہات ہے۔ فیضانِ قدرت آپ کو جو تمثیل و دماغ اور اعلیٰ قابلیت عطا فرمائی ہے دیوان شیدا اس کی زندہ مثال ہے۔

اس دیوان کا ایک ایک لفظ حکیم صاحب قبلہ کی ہمہ گیری، نکتہ رسی اور قادر الکلامی کا شاہد ہے مکتبہ جامعہ اس دیوان کو دراصل حکیم صاحب قبلہ کے احباب میں تقسیم کرنے کی غرض سے جرمنی میں شائع کرایا ہے، پاکٹ سائز جلد سنہری نہایت خوبصورت اور ارق مطلقاً، رنگ سرخ، نیلا، سبز، غرض جرمنی ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ پہلک کے لیے بہت کم نسخے رکھے گئے ہیں اس لیے جلد طلب فرمائیے تاکہ بعد میں پابوسی نہ ہو۔

قیمت صرف عہد

مہتمم مکتبہ جامعہ مول باغ۔ دہلی۔